مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور

رمضان ١٤٤٢ھ
مئی 2021ء
سلسلہ تبلیغ نمبر 318

خیر الحیات وخیر الممات

بہترین زندگی اور بہترین موت (قسط اوّل)

دفتر ماہنامہ الامداد
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
291۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
فون 35422213,35422206 فیکس 042-35433049
www.darululoomislamia.org

اجراء حسب ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۲ | رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ | مئی ۲۰۲۱ء | شمارہ ۵

خیر الحیات و خیر الممات

بہترین زندگی اور بہترین موت (قسط اوّل)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے — زر سالانہ = /۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

خیر الحیات و خیر الممات

(بہترین زندگی اور بہترین موت) قسط اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۳۴ھ، بمقام مکان موقوفہ حضرت حکیم الامتؒ تھانہ بھون حضرت والا نے ارشاد فرمایا جس کو شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قلمبند فرمایا مردوں کے علاوہ سامعین میں ۶۵ مستورات بھی تھیں۔ حقیقت موت کو بیان کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ نے فرمایا: ''موت کے متعلق لوگوں کے عقائد صحیح نہیں۔ اگر موت کے متعلق عقیدہ درست کرلیا جائے تو یہ خوف بہت کم ہوجائے گا۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ مرکر آدمی ایک گڑھے میں اکیلا جا پڑتا ہے اور تمام لذات سے محروم ہوجاتا ہے۔ سو یہ بالکل غلط ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے لوگوں کو موت کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔ یاد رکھو کہ موت صرف جسم عنصری کو آتی ہے روح کو موت نہیں آتی بلکہ موت سے صرف اس کا تعلق جسم عنصری سے منقطع ہوجاتا ہے'' طاعون اور وبائی امرض سے چونکہ موت کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے آدمی گھبراتا ہے جس کا سبب حق تعالیٰ سے بے تعلقی ہے اس کا علاج اللہ سے محبت پیدا کرنا ہے جس کا طریقہ اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ اور کثرت ذکر ہے اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یہ وعظ کافی طویل ہے اس لیے دو اقساط میں شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

۲۰۲۰/۱۲/۲۱

خیر الحیات و خیر الممات

(بہترین زندگی اور بہترین موت) قسط اوّل

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

{أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ خَرَجُواْ مِن دِيَٰرِهِمۡ وَهُمۡ أُلُوفٌ حَذَرَ ٱلۡمَوۡتِ فَقَالَ لَهُمُ ٱللَّهُ مُوتُواْ ثُمَّ أَحۡيَٰهُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَذُو فَضۡلٍ عَلَى ٱلنَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَشۡكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾ وَقَٰتِلُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٞ ﴿٢٤٤﴾ مَّن ذَا ٱلَّذِي يُقۡرِضُ ٱللَّهَ قَرۡضًا حَسَنٗا فَيُضَٰعِفَهُۥ لَهُۥٓ أَضۡعَافٗا كَثِيرَةٗۚ وَٱللَّهُ يَقۡبِضُ وَيَبۡصُۜطُ وَإِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾}(۱)

مقصود بالذات

ان آیات میں حق تعالیٰ نے ایک مقصود کی تاکید کے لیے ایک قصہ بیان فرمایا ہے اس کے بعد مقصود کی تصریح اور اس کے متعلقات ہیں۔ یہ حاصل ہے ان آیات کا ہر

(۱) ”کیا تجھ کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ ہزار ہی تھے موت سے بچنے کے لیے سو اللہ نے ان کے لیے فرمادیا کہ مرجاؤ، پھر ان کو جلایا (زندہ کیا) بیشک اللہ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور جاننے والے ہیں اور کون شخص ہے کہ اللہ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر بہت سے حصے کردے اور اللہ کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں اور تم اسی طرف لے جائے جاؤ گے“ سورۃ البقرۃ: ۲۴۳۔۲۴۵۔

چند کہ اس وقت مجھے ایک خاص مقصود کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے اور اس کی تائید و تاکید کے لیے ان آیات کو تلاوت کیا ہے مگر ان آیات میں جو مقصود بالذات ہے وہ مجھ کو اختلاف غرض سے مقصود تبعاً ہے اور جو مقصود بالغیر ہے وہ اسی اختلاف غرض سے مجھے اس وقت مقصود بالذات ہے (۱) کیونکہ جیسے مقصود بالغیر کو مقصود بالذات کے ساتھ ارتباط (۲) ہوتا ہے ایسے ہی برعکس، کہ مقصود بالذات کو بھی مقصود بالغیر سے ارتباط ہوتا ہے۔ پس جس طرح مقصود بالذات کے ساتھ ارتباط کی وجہ سے مقصود بالغیر (۳) کو بیان کیا جاتا ہے ایسے ہی مقصود بالغیر کے ساتھ اسی ارتباط کی وجہ سے مقصود بالذات بھی تبعاً بیان ہوسکتا ہے باقی اس کا مضائقہ نہیں کہ مقصود بالذات خصوصیت وداعی کی وجہ سے (۴) مقصود بالغیر ہوجائے اور مقصود بالغیر مقصود بالذات ہوجائے۔ چنانچہ ان آیات میں مقصود بالذات تو وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ (اللہ کی راہ میں قتال کرو) ہے اور اصل مقصود مقام تشجیع بر قتال ہے (۵) اور اس کی تائید وتاکید کے لیے سیاق میں ایک قصہ امم ماضیہ (۶) کا آیت أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ (۷) میں مذکور ہوا ہے مگر مجھے اس وقت یہی قصہ مقصود بالذات ہے اور استطراداً مقصود مقام کا بھی بیان کردیا جائے گا۔ پھر سیاق میں آیت مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا (۸) میں انفاق فی سبیل اللہ (۹) ذکر ہے۔ یہ متعلقات مقصود میں سے ہے کیونکہ قتال کے لیے انفاق کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ دوسرے خود انفاق بھی مثل قتال کے طاعت معتد بہ ہے (۱۰) جس کا نفع متعدی ہے اس لیے بھی اس کو مقصود ومقام سے مناسبت ہے یہ تو مقصود وبیان کی تعیین تھی اور سبب داعی یہ ہے کہ اس وقت

---

(۱) آیت مذکورہ میں جس بات کو مقصود بالذات کرکے بیان کیا ہے میں اس کو تبعاً ذکر کرونگا اور جو آیت میں مقصود بالغیر ہے اس کو اصلاً بیان کروں گا بوجہ مصلحت کے (۲) تعلق (۳) مقصود بالذات کے ساتھ تعلق کی بنا پر مقصد بالغیر کو بیان کیا جاتا ہے (۴) وقتی مصلحت وتقاضے کی وجہ سے (۵) کفار کے مقابلے میں لڑنے کا جذبہ پیدا کرنا ہے (۶) پچھلی امتوں کا (۷) ''کیا تم کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو اپنے گھروں سے نکلے تھے اور وہ لوگ ہزار تھے موت سے بچنے کے لیے'' سورۃ البقرۃ ۲۴۳ (۸) ''اور کون شخص ہے کہ اللہ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا'' (۹) ''اللہ کی راہ میں خرچ کرنا'' (۱۰) ضمناً (۱۰) اللہ کی عبادت ہے۔

بعض امراض شدیدہ کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں جو آج کل یہاں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ ہیں بھی شدید مگر نہ اس درجہ جتنا کہ ان کو شدید سمجھ لیا ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ کی ناراضگی سے ڈرنے کی ضرورت

ہماری حالت یہ ہے کہ جس چیز سے ڈرنا چاہئے یعنی جو چیز ڈرنے کی ہے اس سے تو نہیں ڈرتے اور نہ ڈرنے کی چیز سے ڈرتے ہیں۔ ڈرنے کی چیز حق تعالیٰ کی ناراضی اور غضب ہے مگر اس سے ہم بالکل بے پرواہ ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی لوگوں نے کچھ اپنی حالت کی اصلاح نہیں کی جو شخص جس گناہ میں مبتلا ہے، اسی میں مبتلا ہے۔

بیماری ڈرنے کی چیز نہیں

بیماری جو درحقیقت ڈرنے کی چیز نہیں ہے اس سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس حالت کو دیکھ کر تو یوں کہنا چاہئے کہ ہم اس بیماری سے اتنا ڈرتے ہیں کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے جیسا کہ شیخ سعدی رحمہ اللہ اسی کے مناسب ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

گر وزیر از خدا بترسیدے　　ہمچناں گز ملک ملک بودے(۱)

یہاں شیخ رحمۃ اللہ نے دو شکایتیں کی ہیں۔ ایک خدا تعالیٰ سے نہ ڈرنے کی، دوسرے بادشاہ سے اس قدر ڈرنے کی یعنی عقل کا مقتضا تو یہ تھا کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا اور بادشاہ سے اس قدر نہ ڈرتا کیونکہ بادشاہ تو ایک ہم ہی جیسا آدمی ہے فی الحقیقت وہ ڈرنے کی چیز نہیں مگر یہاں معاملہ برعکس ہے پھر اگر خدا تعالیٰ سے اتنا ہی ڈرتے جتنا ایک حاکم اور بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں تو ایک درجہ میں تساوی(۲) ہوجاتی اوسط برابر ہوجاتا مگر یہاں تو یہ غضب ہے کہ خوف خدا کو خوف حاکم کے ساتھ مساوات کی بھی نسبت نہیں۔ گویا نعوذ باللہ حاکم کا خوف، خوف خداوندی پر غالب ہے یہی حالت جہالت کی وجہ سے یہاں ہورہی ہے جہل کا یہ اثر ہوا کہ بیماری سے جتنا نہ ڈرنا چاہئے تھا

(۱) ’’کہ اگر وزیر خدا تعالیٰ سے اتنا ڈرتا جتنا بادشاہ سے ڈرتا ہے تو فرشتہ ہوجاتا‘‘ (۲) برابری۔

اتنا ہی ڈرنے لگے حالانکہ بیماری ڈرنے کی چیز نہیں کیونکہ بہت سے بہت یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسباب موت میں سے ہے سو اسباب موت سے کہاں تک ڈروگے اس کے تو مختلف اسباب ہیں بعض دفعہ کسی ایسے سبب سے موت آجاتی ہے جس میں طبیعت بہت ہی کمزور ہوجاتی ہے۔ چنانچہ بعض دفعہ کھانا کھاتے موت آگئی، بعض دفعہ پانی پینے سے پھندا لگا اور مرگئے، بعض دفعہ سوتے ہوئے کسی جانور نے کاٹ لیا اور ختم ہوگئے۔ بعض دفعہ مکان گر پڑا اور دب گئے اور بعض دفعہ دفعتاً بیٹھے بیٹھے مرگئے جہاں بظاہر کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا مرجانے کے بعد لوگ اسباب تراشتے ہیں۔

مشیت حق ہمیشہ موثر ہوتی ہے

اس کا سبب ضعف قلب یا انسداد حرکت قلب ہوا(۱)۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ گڑھت ہمیشہ غلط ہی ہوتی ہے لیکن میں اس کا بھی معتقد نہیں کہ یہ اسباب تراشیدہ صحیح ہی ہوتے ہیں پھر ان میں بعض تو ایسے گھڑنے والے ہیں جو مشیت حق (۲) ہی کے معتقد نہیں بلکہ اسباب پر ہی ہر چیز کا مدار رکھتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے تعطیل اسباب فی بعض الاوقات کو جابجا ظاہر کیا ہے (۳) اور اگر اسباب کی حقیقت پر غور کیا جاوے تو عقلاً بھی خدا تعالیٰ کی مشیت کو موثر ماننا ضروری ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ جس حادث (۴) کے لیے آپ نے ایک دوسری شے کو سبب مانا ہے وہ سبب بھی تو ایک حادث (۵) ہے اس کے لیے کون سبب ہوا اگر اس کے لیے آپ نے تیسری چیز کو سبب بنایا ہم اس میں بھی کلام کریں گے تو اس سلسلہ ممکنات کو لامحالہ واجب پر منتہی کیا جائے گا ورنہ تسلسل لازم آئے گا اور لاتناہی کے ابطال (۶) پر متکلمین دلائل قائم کرچکے ہیں۔

حکماء کی حماقت

یہ حکماء کی حماقت ہے کہ وہ اجزاء عالم کو حادث بالشخص اور قدیم بالنوع (۷)

---

(۱) ہارٹ فیل ہوجانا ہے (۲) ارادہ خداوندی کے ہی قائل نہیں (۳) جگہ جگہ اسباب کے بیکار ہونے کو بتایا ہے (۴) واقعہ کے لیے وہ سبب بھی تو پیدا ہوگا پھر اس کا سبب کیا ہوگا (۵) واقعہ (۶) لامتناہی سلسلے کے باطل ہونے کو متکلمین نے بیان کردیا ہے (۷) دنیا میں موجود ہر چیز کا ہر جز ختم ہونے والا ہے لیکن نوع یعنی قسم ہمیشہ سے ہمیشہ رہے گی۔

کہتے ہیں کہ ہر ہر فرد تو حادث ہے مگر نوع قدیم ہے حالانکہ وہ خود اس کے بھی قائل ہیں کہ نوع کا وجود بدون (۱) شخص کے نہیں ہوسکتا پھر جب ہر شخص حادث ہے تو نوع قدیم کا تحقق کیسے ہوگا؟ غرض دلائل عقلیہ سے بھی اور نقلیہ سے بھی مشیت حق کا مؤثر اصلی ہونا(۲) ہر طرح ثابت ہے اور جو شخص ہر بات میں لاتسلیم (۳) ہی کا سبق پڑھ لے اس کا علاج متکلمین نے احراق بالنار (آگ میں جلانا) بتایا ہے۔

فطرۃً حق تعالیٰ شانہ کی ہستی اور قدرت ماننے کی چیز ہے

فطرۃً بھی حق تعالیٰ کی ہستی اور قدرت ماننے کی چیز ہے اور ماننے کی چیز کو بھی نہ ماننا تحکم ہے۔ اور تحکم کا تو کوئی بھی جواب نہیں جیسے ایک مجنون پاخانہ کھا رہا تھا، کسی نے ملامت کی تو کہا اس میں حرج ہی کیا ہے یہ تو وہی ہے جو تھوڑی دیر پہلے ہم نے داخل کیا تھا اب وہ ہمارے اندر سے نکل کر برا کیوں ہوگیا۔ ذرا عقلاء کسی عقلی دلیل سے اس کا جواب دیں مگر عرف اور طبیعت سے کام نہ لیں۔ محض عقلی دلیل سے اس کے دعوے کو باطل کریں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس کے ابطال (۴) پر وہ کوئی دلیل نہ قائم کرسکیں گے مگر کیا اس سے کوئی یہ کہے گا کہ اس مجنون کی بات صحیح ہے، ہرگز نہیں۔ سب یونہی کہیں گے کہ وہ نالائق پاگل ہے جو ماننے کی چیز کو بھی نہیں مانتا جو اجماعاً ماننے کی چیز ہے اس طرح ہم منکر صانع (۵) کو پاگل سمجھتے ہیں کیونکہ وہ بھی ایسے ماننے کی چیز کو نہیں مانتا جس کے ماننے پر اجماع عقلاء واتفاق مذاہب ہے اور ضرورت فطرت اس پر مزید۔ یہ تو کامل درجہ کی دہریت ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کو نہ مانے اور اس کی قدرت ومشیت کو کامل نہ مانے بلکہ یہ پہلی قسم سے بھی بدتر ہے کیونکہ یہ شخص خدا تعالیٰ کا قائل ہے اور محض برائے نام قائل ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ فلاں بادشاہ تو ہے مگر پنشن یافتہ ہے کہ اسے اختیارات کچھ نہیں۔

(۱) بغیر (۲) ہر چیز کے وجود میں اللہ کی منشاء کو دخل ہے (۳) نامنظور (۴) غلط ہونے پر (۵) خدا کے منکر کو

حق تعالیٰ شانہ کی کامل قدرت کو ماننے کی ضرورت

چنانچہ بعض لوگ خدا تعالیٰ کو ایسا قادر مانتے ہیں جیسے گھڑی کا کوکنے (۱) والا کہ کوک بھر دینے (۲) کے بعد گھڑی کے چلنے میں اس کے اختیار کو کچھ دخل نہیں بلکہ اب وہ خود بخود چلتی رہے گی چاہے کوک دینے والا زندہ ہو یا نہ ہو جب تک کوک بھری ہوئی ہے اس وقت تک گھڑی کو اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ ایسے ہی یہ لوگ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا کام اتنا ہے کہ اسباب کو پیدا کر دیا اب اسباب سے مسببات اور علل سے معلولات کا وجود خود بخود ہوتا رہے گا۔ نعوذ باللہ اس تاثیر و تاثر میں حق تعالیٰ کا کچھ اختیار نہیں وہ اسباب سے مسبب کو تخلف نہیں کر سکتے بس ان لوگوں کا خدا تعالیٰ کو ماننا ایسا ہے جیسے بعض لوگ من تشبہ بقوم فھو منھم (۳) سے بچنے کے لیے کوٹ پتلون بوٹ سوٹ کے ساتھ ترکی ٹوپی پہنتے ہیں کہ ساری ہیئت تو کفار کی سی ہے صرف ٹوپی سے آپ مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے ہی یہ لوگ حق تعالیٰ کے لیے قدرت و اختیار (تو ایسا ضعیف مانتے ہیں جیسا کہ دہری منکر صانع مانتا ہے کیونکہ جیسا اختیار یہ مان رہے ہیں وہ بھی نہ ماننے کے مثل ہے مگر الزام دہریت سے بچنے کے لیے برائے نام یوں کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ موجود ہے اور بعض لوگ خدا تعالیٰ کو بھی مانتے ہیں اور ان کی قدرت و اختیار کو کامل بھی مانتے ہیں جیسے عامہ مسلمین مگر سچ یہ ہے کہ یہ بھی محض زبان ہی سے خدا تعالیٰ کی قدرت کو کامل کہتے ہیں۔ دل سے یہ بھی کامل نہیں مانتے۔ چنانچہ مصائب وحوادث میں ہم اپنے قلب میں وہی ضعف پاتے ہیں جو قائل دہریت کے قلب میں ہوتا ہے۔ ہم نے مانا کہ طبیعت کا بھی ایک اقتضاء ہوتا ہے مگر پھر بھی طبیعت کے اقتضاء میں اعتقاد کی وجہ سے کچھ تو فرق ہونا چاہئے جیسے گرم پانی جو بہت گرم ہو جس کی حرارت ناگوار ہو اس میں ٹھنڈا پانی مل جانے سے کچھ تو فرق ضرور ہو جاتا ہے کہ اب حرارت ناگوار نہیں ہوتی اسی طرح اعتقاد قدرت الٰہیہ کی برودت (۴) سے طبعی خلجان میں کچھ تو کمی ہو جانا چاہئے۔

---

(۱) گھڑی میں چابی دینے والا (۲) چابی بھر دینے کے بعد (۳) ''جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی پس وہ ان ہی میں سے ہے'' (۴) اللہ کی قدرت کے اعتقاد کی ٹھنڈک سے کچھ تو پریشانی دور ہو۔

ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ فرق تو ہے مگر چونکہ ہمارا اقرار ضعیف ہے (۱) اس لیے اس فرق کا ظہور نہیں ہوا جیسے گرم پانی کے ایک مٹکے میں لوٹا بھر ٹھنڈا پانی ملا دیا جائے تو پہلے سے گرمی میں کمی تو ضرور ہوگی مگر اس کا احساس نہ ہوگا تو میں کہتا ہوں کہ جو شئے اپنے اثر سے خالی ہو وہ معتبر نہیں جس چیز پر غایت مرتب نہ ہو وہ غیر معتد بہ (۲) ہے اس لیے یہ اعتقاد جس کا اثر کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا معتد بہ (۳) نہیں دنیا میں تو اس سے کچھ نفع نہ ہوگا گو آخرت میں کسی مدت کے بعد کام آئے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کے قلب میں ادنیٰ ذرہ ایمان بھی ہوگا وہ بھی کسی نہ کسی وقت جہنم سے نجات پالیگا مگر اس سے پہلے جو عذاب ہوگا اس کو اختیار کرنا کون سی عقل ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اس تھوڑے سے عذاب پر راضی ہیں تو یہ شخص قابل خطاب نہیں اس نے جہنم کو دیکھا نہیں اس لیے یہ جرات ہے اگر ایک دفعہ آنکھ بھر کے جہنم کو دیکھ لے پھر نانی یاد آجائے۔ ہم نے مانا کہ ضعیف اعتقاد سے بھی کسی وقت نجات ہوجائے گی مگر کس مصیبت کے بعد اور دنیا میں تو ساری عمر پریشانی ہی رہے گی۔

مسئلہ تقدیر کا حاصل تاثیر قدرت ہے

حالانکہ حق تعالیٰ نے تقدیر کا مسئلہ تو جس کا حاصل تاثیر قدرت ہے (۴) اسی لیے ہم کو بتلایا ہے کہ حوادث میں ہم کو راحت ہو، پریشانی اور گھبراہٹ حد سے زیادہ نہ ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمۡ إِلَّا فِي كِتَٰبٖ مِّن قَبۡلِ أَن نَّبۡرَأَهَآۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٞ ﴿٢٢﴾ لِّكَيۡلَا تَأۡسَوۡاْ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمۡ وَلَا تَفۡرَحُواْ بِمَآ ءَاتَىٰكُمۡۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٖ فَخُورٍ (۵) کہ تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے خواہ زمین میں یا تمہاری جانوں میں وہ سب ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں اور یہ کام خدا پر آسان تھا۔ آگے فرماتے ہیں لِّكَيۡلَا تَأۡسَوۡاْ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمۡ یہ ایک محذوف کے

(۱) کمزور (۲) ناقابل شمار ہے (۳) اس کا اعتبار نہیں (۴) اللہ کی قدرت کا مؤثر ہونا (۵) ''سورۃ الحدید: ۲۲۔ ۲۳۔

متعلق ہے یعنی واخبرنالکم بذالک لکیلا سو ہم نے تم کو اس مسئلہ تقدیر کی خبر اس لیے دی تاکہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا کی جائے اس پر ناز نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی متکبر اترانے والے کو نہیں چاہتے۔

اعتقاد تقدیر کا دنیوی نفع

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ اعتقاد تقدیر کی تعلیم سے فلاح آخرت (۱) کے ساتھ یہ بھی مقصود ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں بھی راحت ہے کہ کسی چیز کے فوت ہونے سے ان کو زیادہ رنج نہ ہوا کرے بلکہ یہ سمجھ کر کہ تقدیر میں یوں ہی تھا صبر و شکر سے کام لیا کریں۔ اب آپ دیکھ لیں کہ اعتقاد تقدیر کا یہ اثر ہمارے اندر کتنا ہے، سو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ہم مصائب و حوادث میں ضعف قلب (۲) اور قلت اعتقاد (۳) کی وجہ سے ایسے ہی پریشان ہو جاتے ہیں جیسا ایک دہری یا منکر تقدیر پریشان ہوتا ہے۔ صاحبو! اگر ہم کو تقدیر پر کامل اعتقاد ہے تو اس کا اثر ظاہر میں بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔ یاد رکھو محض زبان سے اتنا کہہ دینا تو آسان ہے کہ ہم کو تقدیر پر اعتقاد ہے مگر امتحان کے وقت ہر شخص کی قلعی کھل جاتی ہے اور امتحان کا وقت یہی ہے جبکہ مصائب و حوادث کا نزول ہو رہا ہے اور کسی کی قلعی نہ بھی کھلے تب بھی حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ معاملہ ہے وہاں تو کوئی حیلہ نہیں چل سکتا۔

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام	در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
کارہا باخلق آری جملہ راست	باخدا تزویر و حیلہ کے رواست
کارہا او راست باید داشتن	رایت اخلاص و صدق افراشتن (۴)

(۱) آخرت کی کامیابی (۲) کمزور دل (۳) اعتقاد کی کمی (۴) "میں نے فرض کیا اگر تو نے ساری مخلوق کو دھوکہ دے ہی دیا مگر خدا تعالیٰ کو کہاں دھوکہ دے سکتا ہے، مخلوق کے ساتھ تیرے سب کام درست لیکن خدا تعالیٰ کے ساتھ مکر و حیلہ کب جائز ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ تو سب کام درست رکھنے چاہئیں اخلاص اور سچائی کا علم بلند کرنا چاہئے"۔

معتقد تقدیر کا غم میں حال

صاحبو! جو شخص سچ مچ تقدیر کا معتقد ہے اس کو رنج وغم کبھی نہیں ہوتا اور یہ جو کبھی کبھی آپ ان کو مصائب میں دیکھتے ہیں یہ نظر بد سے بچانے کے لیے صورت رنج وغم ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں:

دل ہمی گوید ازو رنجیدہ ام　　وز نفاق سست او خندیدہ ام(۱)

ان کو ان مصائب سے ایسی کلفت ہوتی ہے جیسے مرچوں کے کھانے والے کو کلفت ہوتی ہے کہ ظاہر میں آنسو جاری ہیں مگر دل میں ہنس رہا ہے اور مزے لے لے کر کھا رہا ہے۔ ان کو اس میں ایسی لذت آتی ہے کہ سلطنت کے بدلہ میں بھی اپنی تنگی اور فقر وفاقہ وغیرہ کو دینا نہیں چاہتے۔(۲)

ایک بزرگ کی حکایت

چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک شہر کے دروازہ پر پہنچے۔ دیکھا کہ شہر پناہ کا دروازہ بند ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ دن میں دروازہ کیوں بند کیا گیا۔ کیا کسی دشمن کا خطرہ ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں بلکہ بادشاہ کا باز اُڑ گیا ہے اس لیے دروازہ بند کرا دیا کہیں دروازہ سے نہ نکل جائے۔ یہ سن کر آپ بہت ہنسے اور سمجھ گئے کہ بادشاہ محض احمق ہے بھلا باز کو دروازہ سے نکلنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو اوپر سے بھی جا سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے بطور ناز کے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ سبحان اللہ یہ تو اتنا احمق ہے اور اس کو بادشاہ بنا دیا اور ہم ایسے عاقل اور عارف اور ہماری یہ حالت ہے کہ پیر میں جوتی بھی سالم نہیں، بدن پر کپڑے بھی درست نہیں۔ ان بزرگ کا مقام ابدال کا تھا مگر ناز ہر وقت نہیں چلتا کیونکہ کبھی وہ بھی ناز کرنے لگتے ہیں یہ کیا کہ تم تو ناز کرو اور وہ کبھی نہ کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ بہت اچھا کیا تم اس پر راضی ہو کہ اس بادشاہ کی

---

(۱) ''دل کہتا ہے کہ میں اس سے رنجیدہ ہوں اور نفاق سست سے اس کے خندیدہ ہوں'' (۲) ان کی یہ حالت ہوتی ہے　مومن دیندار کو رنج والم سے واسطہ

جس کی خدا پہ ہو نظر فکر اسے ستائے کیوں

حماقت وجہالت معہ سلطنت کے تم کو دے دی جائے اور تمہاری معرفت ومحبت معہ فقر وتنگدستی وخستہ حالی کے اس کو دے دی جائے۔ یہ جواب سنتے ہی وہ بزرگ کانپ اٹھے اور فوراً سجدہ میں گر پڑے کہ میں اس گستاخی سے توبہ کرتا ہوں اور اس تبادل پر ہرگز راضی نہیں تو حضرت وہ ایسا شیریں غم ہے[1] جس سے سلطنت کے ساتھ بھی تبادلہ گوارا نہ ہو اور وہ ایسا درد ہے کہ اگر کوئی ان کی ظاہری تکلیف کو دیکھ کر ان پر ترس کھائے اور اس سے نجات اور سکون کی دعا کرے تو خدا تعالیٰ تم کو اس غم سے نجات دے تو وہ یوں کہتے ہیں:

مصلحت نیست مرا سیری ازاں آب حیات　　　ضاعف اللہ بہ کل زمان عطشی (۲)

مجنون اور اس کے والد کی حکایت

اور کیوں نہ ہو، یہ تو محبوب حقیقی کے عاشق ہیں، مجنوں نے تو ایک ادنیٰ مخلوق کی محبت کے غم سے بھی نجات نہیں چاہی جب اس کا عشق مشتہر ہوا[3] اور سوز وگداز سے کھانا پینا متروک ہوگیا[4] اور دیوانوں کی طرح جنگلوں میں پھرنے لگا تو اس کا باپ مکہ معظمہ میں اس کو لایا اور کہا بیت اللہ کا پردہ پکڑ کے خدا تعالیٰ سے دعا کر کہ لیلیٰ کی محبت میرے دل سے نکال دے تو اس نے رو کر کہا:

یا رب لا تسلبنی حبها ابداً　　　ویرحم اللہ عبداً قال امیناً (۵)

اور کہا:

الٰهی تبت من کل المعاصی　　　ولکن حب لیلی لا اتوب (۶)

تو جب ایک ادنیٰ مخلوق کی محبت میں غم لذیذ ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ کے عشاق کو اگر مصائب میں راحت ہو تو کیا عجب ہے[7]۔ اب اس کو غم کہنا ہی غلط ہے۔ وہ واقع میں غم نہیں محض صورت غم ہے اور جو واقعی غم ہے اس کا شریعت مقدسہ پر عمل کرنے

---

(۱) میٹھا غم (۲) "مجھ کو اس آب حیات سے سیر ہونا مصلحت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہر وقت میری پیاس بڑھائے" (۳) عام مشہور ہوگیا (۴) غم عشق کی وجہ سے کھانا پینا ترک ہوگیا (۵) "پروردگار لیلیٰ کی محبت میرے سے کبھی زائل نہ کرے اور اللہ تعالیٰ اس بندہ پر رحم کرے جو اس پر آمین کہے" (۶) "خداوندا میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں لیکن محبت لیلیٰ سے توبہ نہیں کرتا" (۷) تعجب ہے۔

والے پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بیمار نہیں ہوتا یا اس کا کوئی عزیز نہیں مرتا یا اس کو دنیوی نقصان نہیں ہوتا یہ سب کچھ اسے بھی پیش آتا ہے اور اس سے کلفت(۱) بھی اس کی ہوتی ہے مگر پریشانی و حقیقی غم نہیں ہوتا کیونکہ غم کہتے ہیں دل کی گھٹن کو اور تکلیف کہتے ہیں الم دکھن کو۔

اہل اللہ کا مصائب میں جانا

اہل اللہ کو مصائب میں الم تو ہوتا ہے مگر گھٹن نہیں ہوتی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی ڈاکٹر تمہارے زخم میں نشتر لگائے اس وقت تم کو الم(۲) تو ہوگا مگر رنج و غم نہ ہوگا، گو ظاہر میں تم ہائے ہائے بھی کرو گے مگر دل اندر سے خوش ہوگا اور اس الم پر راضی ہوگا کیونکہ تم اس نشتر کو حکمت کے موافق سمجھتے اور اپنے لیے نافع و مفید خیال کرتے ہو۔ یہی حال اہل اللہ کا ہے، زمانہ کی مصائب و حوادث کے ساتھ کہ وہاں غم کو عین حکمت اور سرتاپا مصلحت سمجھتے ہیں اس لیے ہر حال میں خوش ہیں اور یوں کہتے ہیں:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے　　　یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اولیاء اللہ کو حقیقی خوف و حزن نہیں ہوتا

غرض جو لوگ شریعت مقدسہ کی تعلیم پر عمل کرنے والے ہیں ان کو غم حقیقی کبھی نہیں ہوتا۔ پس أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ(۳) اپنی حقیقت پر ہے اس میں تاویل کی ضرورت نہیں مطلب یہ ہے کہ ان کو حقیقی خوف و حزن نہیں ہوتا کیونکہ وہ تقدیر پر پورا ایمان رکھتے ہیں جس کا اثر یہی ہے کہ رنج و غم اور تجویز کی جڑ کٹ جاتی ہے جیسا کہ میں نے ابھی ایک آیت سے ثابت کیا تھا لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَآ اٰتٰىكُمْ(۴) پس قائل تقدیر کو آخرت میں تو خوف و حزن ہوگا ہی نہیں، دنیا میں بھی اس کو غم نہیں ہوتا اس لیے

---

(۱) پریشانی (۲) تکلیف تو ہوگی (۳) ”یاد رکھو اولیاء اللہ پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں“ سورہ یونس: ۶۵ (۴) ”تاکہ جو چیز تم سے فوت ہوجائے اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا کی جائے اس پر نہ اتراؤ“۔

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۱) ہر حال میں اپنی حقیقت پر ہے اور جو شخص تقدیر کے اعتقاد سے خالی ہے اس کو دنیا میں بھی غم اور آخرت میں بھی اور جس کا اعتقاد ضعیف ہے وہ آخرت میں تو پٹ چھٹ کر جنت میں پہنچ جائے گا مگر دنیا میں عمر بھر ضرور بے چین رہے گا تو کیا اچھا ہو کہ یہاں بھی راحت ہی ہو۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے عمل واعتقاد کو کامل کرو، پھر تمہارے لیے دنیا میں بھی چین ہوگا لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (۲) اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم کو اس چین کی ضرورت نہیں دنیا میں ہم کو بے چینی ہی منظور ہے تو یہ شخص قابل خطاب نہیں۔ پھر ہم تو جب جانتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کی چیزوں سے بھی صبر کر لیتے مگر یہاں تو یہ حالت ہے کہ چار پیسوں سے بھی صبر نہیں اور آخرت کے بارے میں ایسی ہمت ہے کہ وہاں کی راحت اور دنیا کی حیات طیبہ سے صبر ہے اس کا نام صوفیہ کی محاورات میں صبر فرعون ہے۔ مولانا اسی کی شکایت فرماتے ہیں:

ایکہ صبرت نیست از فرزند وزن	صبر چوں داری زرب ذوالمنن
ایکہ صبرت نیست از دنیائے دوں	صبر چوں داری زنعم الماہدوں (۴)

صبر باللہ اشد ہے

حضرت شبلی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا ای الصبر اشد کون سا صبر زیادہ سخت ہے؟ فرمایا: الصبر باللہ قال لا فالصبر فی اللہ قال لا قال فای قال الصبر عن اللہ یعنی حضرت شبلیؒ نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ صبر باللہ اشد ہے اس نے کہا نہیں، کہا صبر فی اللہ اشد ہے، اس نے کہا نہیں، فرمایا پھر تم بتلاؤ کونسا صبر اشد ہے اس نے کہا الصبر عن اللہ خدا تعالیٰ سے چھوٹنے پر صبر کر لینا یہ بہت سخت ہے۔ یہ سن کر حضرت شبلی رحمہ اللہ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے، اسی

---

(۱) ''نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں'' (۲) ''ان کو دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی'' سورہ یونس: ۶۴ (۴) ''اے شخص تجھ کو اہل وعیال سے صبر نہیں ہے تو حق تعالیٰ سے کیوں صبر تجھ کو آ گیا ذلیل دنیا سے صبر نہیں ہے تو حق تعالیٰ سے کیوں صبر رکھتا ہے''۔

صبر کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ [1]

اسباب کو مؤثر سمجھنا غلط ہے

بہرحال مرگ مفاجات کے اسباب تراشنے والے ایک تو وہ ہیں جو خدا تعالیٰ کے قائل نہیں ہیں۔ ان سے تو چنداں تعجب نہیں ہے مگر افسوس اب تو اکثر مسلمان بھی اسباب تراشتے ہیں اور اسباب ہی کو موثر سمجھتے ہیں پھر ان کو دنیا میں بھی تکلیف ہوتی ہے اور مرتے ہوئے بھی پریشانی ہوتی ہے۔ یہ لوگ حیاتِ طیبہ سے بھی محروم ہیں اور موت سے بھی بہت ڈرتے ہیں۔

موت کے وقت مؤمن کا حال

شاید یہاں کسی کو شبہ ہو کہ موت سے تو ہر شخص کو کراہت ہوتی ہے اور زندگی ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے کیونکہ یہ تو طبعی امر ہے تو سب ہی کو عام ہے اس کا جواب حدیث شریف میں آچکا ہے، حق تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درجات بلند فرمائیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرکے اس اشکال کو حل کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللّٰہ کرہ اللّٰہ لقاءہ [2] کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی لقاء سے کراہت کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی لقاء [3] سے کراہت فرماتے ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کلنا یکرہ الموت [4] یعنی حق تعالیٰ کی لقاء تو موت کے بعد ہوگی اور موت سے طبعاً ہر شخص کو کراہت ہے تو من احب لقاء اللّٰہ کا مصداق کون ہوگا؟ سب من کرہ اللّٰہ لقاء اللّٰہ ہی کے مصداق ہوں گے اور اس کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون دے سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ محبت کراہت مراد نہیں ہے سو مومن

(۱) "پس کس قدر صبر کرنے والے ہیں آگ پر" سورۃ البقرہ: ۱۷۵ (۲) "الصحیح للبخاری: ۸/ ۳۳۱ (۳) ملنے کو ناپسند کرتے ہیں (۴) "ہم میں ہر شخص موت کو مکروہ سمجھتا ہے"۔

موت کے وقت لقاء اللہ (۱) کا مشتاق ہو جاتا ہے جبکہ اس کو فرشتے بشارتیں سناتے اور تسلی دیتے ہیں اور جنت کی نعمتیں اور راحتیں دکھلاتے ہیں اس وقت اس کی وہ حالت ہوتی ہے جیسے ایک پرندہ پنجرہ میں ہو اور اس کو ایک ایسے سبزہ زار میں رکھ دیا جائے جہاں چار طرف پھول پھلواری اور ہر قسم کے میوہ جات ہوں اور اس طرح کہ ہم جنس پرندے آزادی کے ساتھ اس باغ میں میوے وغیرہ کھاتے پھرتے ہوں اور خوشی سے چہچہاتے ہوں تو اس وقت یہ پرندہ جو پنجرہ میں مقید ہے پھڑ پھڑاتا ہے اور پنجرے سے نکلنے اور اپنی ہم جنسوں کے ساتھ سبزہ زار میں چلنے پھرنے کا مشتاق ہوتا ہے اور کافر موت کے وقت حق تعالیٰ کے پاس جانے سے کراہت کرتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ عذاب کے فرشتے ڈراونی صورت میں چاروں طرف کھڑے ہیں۔ میری روح نکلی اور ان لوگوں نے مجھے عذاب کرنا شروع کیا، اس وقت اس کی روح جسم سے نکلنا نہیں چاہتی جیسے پنجرہ کے گرد چاروں طرف بلیاں دانت نکالے بیٹھی ہوں تو اس وقت پرندہ پنجرہ سے نکلنا نہ چاہے گا بلکہ کوشش کرے گا کہ پنجرے ہی سے چمٹا رہے کیونکہ اسی میں خیر ہے پنجرہ سے باہر قدم رکھا اور بلیوں نے اس کو دبوچا تو یہ کراہت مراد ہے جو عین موت کے وقت ہوتی ہے باقی طبعی کراہت مراد نہیں ہے کیونکہ طبعاً زندگی ہر ایک کو عزیز ہے۔

زندگی طبعاً ہر ایک کو عزیز ہے

چنانچہ کانپور میں ایک قصہ میرے زمانہ قیام میں ہوا تھا، ایک بڑھیا کا لڑکا بیمار ہوا تو وہ ہر ایک سے دعا کراتی پھرتی تھی کہ یہ اچھا ہو جائے اور میں مر جاؤں، اتفاق سے اس کو سکتہ ہو گیا جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ مر گیا ہے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا گیا، کچھ دیر میں ہوش آ گیا۔ وہ بڑھیا یہ سمجھی کہ میرا بیٹا بھوت ہو گیا تو اب وہ یہ دعا کراتی تھی کہ اللہ کرے یہ مر جائے کیونکہ اب اسے اپنی موت کا اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ بھوت مجھے ہی نہ کھا لے، اسی طرح مولانا جامی رحمہ اللہ نے ایک عورت مہستی نام کا قصہ لکھا ہے

---

(۱) اللہ سے ملنے کا مشتاق ہوتا ہے۔

کہ ایک دفعہ مہستی بیمار ہوئی تو اس کی بوڑھی ماں یوں دعا کرتی تھی کاش میں مرجاؤں اور مہستی اچھی ہوجائے۔ ایک دن اتفاق سے اس کے گھر میں ایک گائے اس حیلہ سے آئی کہ اس کے منہ میں ایک ہانڈی پھنسی ہوئی تھی۔ گائے نے کسی کی ہانڈی میں منہ ڈالا تھا پھر منہ باہر نہ نکل سکا کیونکہ وہ پھنس گئی تھی تو اب وہ ہانڈی کو لئے پھر رہی تھی۔ اس بڑھیا نے جو گائے کا یہ حلیہ دیکھا تو یوں سمجھی کہ یہ وہی موت ہے جس کو میں روز بلایا کرتی تھی اب تو بڑی گھبرائی اور کہنے لگی:

گفت اے موت من نہ مہستیم　　پیر زال غریب محنتیم (۱)

غرض اپنی زندگی ایسی عزیز ہے کہ موت کا خیال آتے ہی بیٹی کو مارنے لگی۔ کم وبیش حیات کی محبت سب کو ہے اہل اللہ بھی اس سے خالی نہیں مگر جس کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہے وہ عین موت کے وقت ہشاش بشاش اور حق تعالیٰ سے ملنے کا مشتاق ہوجاتا ہے۔

کوئی مومن بشارت عندالموت سے محروم نہیں

مولانا فتح محمد صاحب کے ایک شاگرد مولوی نور احمد صاحب طالب علم تھے، مولانا کے وصال کے بعد وہ اپنے گھر جانے لگے اور سامان وغیرہ باندھ کر سب رکھ دیا تھا کہ دفعتاً طاعون میں میں مبتلا ہوگئے۔ لوگوں کو بہت صدمہ ہوا کہ بے چارہ کو اس وقت اپنے وطن کی کیسی حسرت ہوگی، سب ان کی تسلی کرنے لگے کہ گھبراؤ نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ تم اچھے ہوجاؤ گے۔ وہ کہنے لگے کہ اب یوں نہ کہو اب تو خدا تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے، پھر ان کا جنازہ آیا تو گو ہم جیسوں کا ادراک ہی کیا مگر مجھے ان کے جنازہ پر انوار ہی انوار معلوم ہوتے تھے۔ صاحبو! مومن چاہے کیسا ہی گنہگار ہو ایمان کی وجہ سے تو بشارت اس کو بھی ملتی ہے اس لیے وہ مرتے ہوئے ضرور خوش ہوتا ہے اور جو ایمان کے

(۱) "یعنی اے موت مہستی میں نہیں ہوں وہ تو تیرے سامنے پلنگ پر پڑی ہے اسے لے لے، میں تو غریب محنتن بڑھیا ہوں، مجھے لے کر تو کیا کرے گی"۔

ساتھ اعمال صالحہ بھی زیادہ ہوں پھر تو اس کی خوشی کا کیا کہنا بس بشارت عندالموت سے اگر محروم ہے تو کافر ہی محروم ہے۔ مومن چاہے کیسا ہی ہو وہ اس سے محروم نہیں گو اس کے ساتھ معاصی بھی ہوں مگر ایمان کامل ہو تو موت کے وقت اسے حق تعالیٰ سے ملنے کا اشتیاق ہوگا اور قبل موت گو اس درجہ کا اشتیاق طبعی نہ ہو مگر عقلی کراہت بھی نہ ہونا چاہیے کیونکہ ان نعمتوں کا مقدمہ بھی موت ہے اور جب عقلی کراہت نہ ہوگی تو پریشانی بھی اس قدر نہ ہوگی مگر افسوس ہے کہ اس وقت اس بیماری سے پریشانی اس قدر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کل ایمان میں بھی کمی ہے، اسی واسطے میں نے اس وقت اس مضمون کو بیان کے لیے اختیار کیا ہے کیونکہ بعض احباب سے معلوم ہوا کہ لوگ بہت زیادہ پریشان ہیں، اس کے بعد انہوں نے بیان کی بھی درخواست کی اور یہ ظاہر کیا کہ بیان سے لوگوں کو تسلی ہو جانے کی امید ہے اس واسطے میں اس مضمون کو اختیار کرتا ہوں۔

اسباب طاعون

اس وقت میں اسباب طاعون سے بحث نہیں کرتا کیونکہ اس سے مواعظ سابقہ ورسائل میں فراغت ہو چکی ہے۔ میں نے بارہا اس کو بیان کیا ہے اور وہ مضامین اکثر سامعین کے سنے ہوئے ہیں مگر استطراداً اتنا پھر کہتا ہوں کہ اس کا سبب معاصی ہیں (۱) خصوصاً بدکاری اور سود خواری، جیسا احادیث میں مصرح ہے (۲) اور افسوس سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے قصبہ میں یہ دو گناہ بہت شائع ہیں ہم کو سب گناہوں سے اور بالخصوص ان دونوں گناہوں سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔ اس بحث میں زیادہ تفصیل نہیں کرتا۔ البتہ اپنے ایک رسالہ کا پتہ بتلائے دیتا ہوں جس کا نام "علاج القحط والوبا" ہے جس کو تفصیل کا شوق ہو وہ اس رسالہ کا مطالعہ کرے، اس میں شبہات کا بھی جواب دیا گیا ہے۔ (۳)

---

(۱) گناہ ہیں (۲) احادیث میں اس کی وضاحت ہے (۳) آج کل ہمارے ملک اور ساری دنیا میں کرونا کی وبا پھیلی ہوئی ہے اس کا اصل سبب بھی گناہوں کی کثرت ہے۔

معاصی بھی طاعون کا سبب ہیں

ہاں! ایک شبہ کا جواب شاید اس میں نہ ہو اس کو مع جواب کے اس وقت بیان کئے دیتا ہوں، وہ یہ کہ بعض لوگ شاید یوں کہیں کہ طاعون کے اسباب تو طبعی ہیں پھر معاصی اس کا سبب کیونکر ہو گئے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو اسباب طبعیہ کے انکار کی ضرورت نہیں گو تصدیق کی بھی ضرورت نہیں مگر ہم آپ کی خاطر سے تھوڑی دیر کے لیے ان اسباب طبعیہ کو مانے لیتے ہیں۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ یہ اسباب طبعیہ طاعون کا سبب قریب ہیں یا سبب اصلی اگر آپ کہیں کہ یہ سبب قریب ہیں تو ہم کہیں گے کہ پھر ان کے سبب قریب ہونے سے معاصی کی سببیت پر کیوں اشکال ہو، ممکن ہے معاصی[1] بھی سبب ہوں اور سبب بعید ہوں اور اگر یہ کہا جائے کہ اسباب طبعیہ سبب قریب بھی ہیں اور یہی اصل سبب ہیں ان کے سوا اور کوئی سبب نہیں تو اس دعوے پر دلیل قائم کیجئے۔

موت کے متعدد اسباب ہونے کی مثال

کیونکہ مسبب واحد کے لیے اسباب مختلفہ قریب و بعید[2] ہو سکتے ہیں، پھر آپ طاعون کے لیے سببیت کو ایک ہی چیز میں کس دلیل سے منحصر کرتے ہیں۔ دیکھئے اگر ایک شخص نے کسی کو قتل کیا ہو اور اس کی سزا میں اسے پھانسی دی جائے جس سے قاتل مر جائے تو اب بتلایئے یہاں سبب موت کیا ہوا؟ یہاں آپ فوراً سلسلہ نسب بیان کرنا شروع کر دیں گے کہ اول اس نے قتل کیا تھا جس کی وجہ سے ولی مقتول نے عدالت میں دعویٰ کیا پھر اس پر گواہ قائم کر دیئے۔ حاکم نے ثبوت لے کر اس کو مجرم قرار دیا اور فیصلہ میں اس کو پھانسی کی سزا تجویز کی اور اس کے لیے خاص تاریخ مقرر کر دی۔ اور یہ اس تاریخ پر حاضر رہا، کہیں روپوش نہ ہو سکا۔ حاکم نے اپنے فیصلہ کے موافق جلاد کو حکم دیا کہ اسے پھانسی پر لٹکا کر تختہ کھینچ لے اس نے ایسا ہی کیا بالآخر اس کو موت آ گئی۔ دیکھئے اس شخص کی موت میں چند در چند اسباب کو دخل ہے اگر کوئی فلسفی کہنے لگے کہ یہ سلسلہ نسب

(۱) گناہ (۲) ایک چیز کے وجود کے لیے کئی اسباب ہو سکتے کچھ قریب کچھ بعید۔

بالکل غلط ہے بلکہ اس کی موت کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کو پھانسی پر لٹکا کر تختہ کھینچ لیا گیا جس کی وجہ سے گلا گھٹ گیا اور آلات تنفس (۱) بند ہو گئے اس لیے موت واقع ہو گئی تو آپ اس کو کیا جواب دیں گے؟ یقیناً ہر عاقل یہ کہے گا کہ یہ تو سبب قریب ہے لیکن سبب اصلی وہ جرم قتل ہی ہے جس کی وجہ سے حاکم نے اس کو پھانسی پر لٹکانے کا حکم دیا، اسی طرح یہاں سمجھو کہ طاعون کا اصلی سبب معاصی ہیں جب بندے گناہ کر کے حق تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں تو وہ اپنے جنود (۲) کو بنی آدم پر مسلط (۳) کر دیتے ہیں جن میں یہ جراثیم بھی داخل ہیں (۴) جن کو تم طاعون کا سبب کہتے ہو اور جنات بھی داخل ہیں جن کو حدیث شریف میں سبب کہا گیا ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (۵) بتلائے اب کیا اشکال رہا مگر حیرت ہے کہ دنیا کی باتوں میں تو آپ کی عقل ایسی تیز ہے کہ اگر کوئی سائنس دان پھانسی والے مجرم کی موت کا سبب محض آلات تنفس کا بند ہونا بتلائے تو آپ اس کے جواب میں فوراً اسباب کا سلسلہ نسب بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی عاقل نہیں

لیکن نا معلوم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ضد ہے کہ آپ کی ہر بات میں شبہ ہے اور یہاں یہ جواب کیوں نہیں دیا جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سبب بعید اور اصلی کو بیان فرما رہے ہیں اور تم سبب قریب کو بتلا رہے ہو حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم علاوہ نبی و رسول ہونے کے عاقل بھی اتنے بڑے ہیں کہ کفار بھی اس کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی عاقل نہیں ہوا۔ یہ ایک شبہ کا جواب استطراداً بیان کر دیا گیا ہے باقی اصل جواب ان شبہات کا وہ ہے جو میں نے چھتاری (۶) کے ایک بیان میں عرض کیا تھا جس میں علی گڑھی جنٹلمین بہت تھے۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ جو دین میں شبہات کرتے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لیے یہ صورت آپ نے اختیار کی ہے جہاں کوئی مولوی صاحب

(۱) سانس لینا بند ہو گیا (۲) اپنے لشکروں کو (۳) اولاد آدم پر مقرر کرتے ہیں (۴) چنانچہ کرونا کے جراثیم بھی اللہ کا لشکر ہیں جب اللہ راضی ہو جائے گا اپنے لشکر کو واپس بلا لے گا (۵) "تمہارے رب کے جنود کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا" سورۃ المدثر: ۳۱ (۶) ایک قصبہ کا نام ہے۔

ملیں ان پر مشق کرنے لگے تو یہ تدبیر اچھی نہیں کیونکہ اس طرح تو ساری عمر شبہات ہی میں گزر جائے گی کیونکہ عقلی شبہات کے جوابات بھی عقلی ہوتے ہیں اور عقلی جواب کے مقدمات بھی عقلی ہوتے ہیں۔ آپ کو ان مقدمات عقلیہ میں بھی شبہات ہوں گے پھر ان کا جواب بھی عقلی ہوگا جو مقدمات عقلیہ ہی پر مبنی ہوگا، ممکن ہے اس جواب کے مقدمات میں شبہ ہو جائے تو یہ سلسلہ غیر متناہی ہے جیسے بچوں کی کپاس کہانی، یہ کمبخت ختم ہی نہیں ہوتی بس ہر بات کے بعد یوں ہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ کپاس کہانی پوچھوگے، دوسرا کہتا ہے پوچھیں گے، مجھے تو اس کی تفصیل یاد بھی نہیں آتی بچپن کی باتیں اب کہاں یاد آئیں۔

وقت پیری شباب کی باتیں ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

دوسرے اگر فرض کرلیا جائے کہ عقلی جواب کے مقدمات پر آپ شبہ بھی نہ کرسکے اور سلسلہ اعتراض کا ختم ہوگیا جب بھی اس تدبیر سے قلب میں سے شبہات کی جڑ نہیں کٹ سکتی اور شفاء نہیں ہوسکتی۔

بوڑھے ہندو اور سپاہی سلطان محمود غزنوی کی حکایت

جیسے سلطان محمود جب سومنات آئے تو ان کے ایک سپاہی نے دیکھا کہ ایک بڈھا بت پرست صنم کے سامنے گردن جھکائے بیٹھا ہے اور رام رام کررہا ہے۔ سپاہی نے تلوار نیام سے نکالی اور کہا او بڈھے کہہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' بڈھے نے جو تلوار ننگی دیکھی کانپ گیا اور کہا اچھا اچھا کہتا ہوں۔ ذرا تلوار نیام میں تو کرلو تو اس نے ایسا ہی کیا تو لگا ٹالنے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر سپاہی نے کہا کہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ورنہ گردن اڑا دوں گا، کہا اچھا بھائی کہتا ہوں مگر ذرا تم اس تلوار کو پھر نیام میں کرلو اور میرے حواس بجا ہونے دو۔ اس تلوار کو دیکھ کر میرے حواس باختہ ہوئے جاتے ہیں۔ سپاہی نے تلوار بھی نیام میں کرلی اور کہا اچھا اب تو کہو، وہ بت پرست کہنے لگا میاں سپاہی چاہے چھوڑ دو یا مار دو نوے برس کا رام تو نکلتے ہی نکلتے نکلے گا، ایک دم سے تو نکل نہیں سکتا۔ میں

نے یہ حکایت کسی سے سنی ہے یہ تو معلوم نہیں کہ کس سے سنی ہے روایت ہے لیکن بات سچی ہے کہ نوے سال کا رام تو نکلتے نکلتے ہی نکلے گا ایک دم سے نہیں نکل سکتا۔ شریعت نے بھی تو اس کی رعایت کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ (۱) اسی طرح میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کے یہ شبہات تو پرانے اور عمر بھر کے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ ایک مجلس میں ان سے شفا ہو جائے یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کرنا

اب اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ ہر ملاقات میں ایک شبہ حل کر لیا کریں اور دوسری ملاقات میں دوسرا شبہ وعلیٰ ہذا، مگر یہ تو سنار کی کھٹ کھٹ ہے، میں آپ کو دوسری تدبیر بتلاتا ہوں جو لوہار کی ایک ہے وہ یہ کہ تم ان شبہات کے پیچھے نہ پڑو، بس اپنے دل میں حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کر لو یا عظمت حاصل کر لو۔ یہ رافع شبہات ماضیہ ہونے کے ساتھ قاطع شبہات مستقبلہ بھی ہے (۲) کیونکہ محبت یا عظمت کے بعد محبوب اور معظم کے کسی حکم میں شبہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چور کو گھر میں گھسا کر نکالنا کون سی عقل کی بات ہے۔ تدبیر ایسی کرنی چاہئے کہ چور گھر ہی میں نہ آئے تو یہ تدبیر ایسی ہی ہے کہ اس سے شبہات کا دروازہ ہی بند ہو جاتا ہے۔ بس یہ ہے لوہار کی ایک اور جو لوگ شبہات کا جواب دے کر تسلی کرنا چاہتے ہیں وہ سنار کی طرح کھٹ کھٹ کرتے ہیں، اس میں وقت بھی بہت صرف ہوتا ہے اور سلسلہ شبہات کا ختم نہیں ہوتا، میں نے اس متعارف طرز کو چھوڑ دیا ہے، آج کل میں تو نئی تعلیم والوں کے ساتھ اسی علاج سے کام لیتا ہوں کہ تم کچھ دنوں ہمارے پاس آکر رہو اور جو ہم بتلائیں اس کے موافق عمل کرو۔ وہ مدت ہم بتلا دیں گے اس مدت کے گزر جانے پر

(۱) ''اگر آپ سے کوئی مشرکین میں سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیجئے تا کہ وہ کلام الٰہی سن لے پھر اس کو امن کی جگہ پہنچا دیجئے۔ یہ حکم اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ پوری خبر نہیں رکھتے'' سورۃ التوبہ:٦ (۲) اس سے ماضی کے شبہات بھی ختم ہو جائیں گے اور آئندہ شبہات پیدا بھی نہیں ہوں گے۔

شبہات بیان کرنا، پھر جواب دیں گے ان شاء اللہ اس مدت کے بعد ایک بھی شبہ نہ رہے گا کیونکہ اس مدت کے اندر خدا تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کی محبت و عظمت قلب میں پیدا ہو جائے گی۔ باقی اس کے بغیر میں کسی شبہ کا سننا اور جواب دینا پسند نہیں کرتا بلکہ اکثر لوگوں کو ضابطہ کے جواب سے ٹال دیتا ہوں۔

حکم کے ہر قسم کا سمجھنا ضروری ہے

چنانچہ میں پچھلے دنوں علی گڑھ گیا تھا تو کالج کے ایک حدیث دان میرے پاس آئے اور حدیث کا متن پڑھا جس میں آیا ہے کہ طاعون معاصی سے آتا ہے اور کہنے لگے یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا حدیث کا مدلول سمجھ میں نہیں آیا یا جنایت و عقوبت میں وجہ ارتباط (۱) سمجھ میں نہیں آئی۔ کہنے لگے معاصی اور طاعون کا ربط سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا تو ضرر (۲) کیا ہوا؟ کیونکہ یہ تو حکم کی لم (۳) ہوئی اور ضرورت صرف حکم کے سمجھنے کی ہے ہر لم کا سمجھنا ضروری نہیں، آپ اس کو بدون سمجھے ہی مان لیجئے۔ کیا ہر بات کو اس کی لم (۴) سمجھ کر ہی ماننا ضروری ہے، کہنے لگے کہ لم نہ سمجھنے میں ضرر تو کچھ نہیں لیکن معلوم ہو جانے میں نفع ہے کہ اطمینان زیادہ ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا اطمینان کے مطلوب ہونے کی کیا دلیل ہے۔ کہنے لگے ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے وَلٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي (لیکن تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے) میں نے کہا یہ ضرور ہے کہ جو چیز ابراہیم علیہ السلام کے لیے ایک وقت میں نافع ہو وہ آپ کے لیے بھی نافع ہو، بس اس کا جواب ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ خاموش ہو گئے، گفتگو کا یہ طریقہ بہت اچھا ہے کہ مدعی کبھی نہ بنے ہمیشہ سائل بنا کرے کیونکہ سائل کو دلیل وغیرہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں وہ تو ایک دفعہ لانسلم (ہم تسلیم نہیں کرتے) کہہ کر چھوٹ جائے گا۔

ایک بے استعداد طالب علم کا حال

اس میں بہت راحت ہے مگر موقع کا لانسلم ہو، بے موقع نہ ہو ورنہ وہ قصہ ہوگا جیسے ایک بے استعداد طالب علم کو سند فراغ دیتے ہوئے استاد نے یہ گر بتلایا تھا کہ

(۱) گناہوں کا طاعون کا سبب ہونا سمجھ میں نہیں آیا (۲) نقصان (۳) وجہ (۴) علت و وجہ۔

تم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے تو جواب میں یہ کہہ دینا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اس سے تمہارا جہل مخفی رہے گا۔ واقعی بات تو بہت گہری بتلائی مگر اس کے استعمال کے لیے بھی تو کسی قدر عقل کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایک شخص سمجھ گیا کہ یہ جو ہر بات کے جواب میں یہی کہتا ہے کہ اس میں اختلاف ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کچھ آتا جاتا نہیں اس کا امتحان کرنا چاہیئے۔ اگلے دن اس نے آکر پوچھا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ اس احمق نے یہاں بھی وہی جواب دیا کہ اس میں اختلاف ہے اب تو سب پر قلعی کھل گئی۔

ایک طوطی والا قصہ

یہ ویسا ہی قصہ ہے جیسے طوطی کی دریں چہ شک (اس میں کیا شک ہے) کی حکایت ہے کہ ایک شخص نے طوطی کو یہ جملہ سکھا دیا تھا ''دریں چہ شک'' پھر بازار میں آکر دعویٰ کیا کہ میری طوطی فارسی بولتی ہے۔ چنانچہ ایک سوداگر نے خریدنے کا قصد کیا مالک نے دام بہت بتلائے۔ سوداگر نے طوطی سے پوچھا کہ کیا تیری قیمت اتنی ہے جتنی مالک بتلا رہا ہے؟ کہا دریں چہ شک (اس میں کیا شک ہے) سوداگر بہت خوش ہوا اور خرید کر گھر لایا۔ اب جو بات بھی کرتا ہے اس کے جواب میں دریں چہ شک ہی آتا ہے۔ کہنے لگا میں بہت احمق تھا جو اتنی رقم دے کر تجھے لایا۔ طوطی نے کہا دریں چہ شک (اس میں کیا شک ہے) یہاں تو یہ جواب واقعی برمحل تھا۔ بہر حال میں نے خود کوئی دعویٰ نہ کیا بلکہ ان کے سوال ہی میں سے سوال نکالتا رہا، حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے پھر میں نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ اس سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ ملانوں کے پاس آپ کے سوالات کے جوابات نہیں ہیں اور یہ خیال نہ کریں کہ اس حدیث کی حقیقت کو آپ کی طرح وہ بھی نہیں سمجھتے۔ بحمد اللہ ہمارے پاس حقائق و اسرار بہت کچھ ہیں مگر ہم آپ کو نہیں بتلاتے۔

احکام کے اسرار کا بیان کرنا علماء کے ذمہ نہیں

کیونکہ اسرار کا بیان کرنا ہمارے ذمہ نہیں، ہمارے ذمہ احکام کا پہنچانا ہے، پھر میں نے یہ شعر پڑھا:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست (۱)

اور اگر کوئی یہ کہے کہ گو اسرار کا بیان کرنا ضروری نہیں مگر چھپانا بھی تو ضروری نہیں پھر بیان ہی میں کیا حرج ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ غیر ضروری باتوں کے بیان کے لیے کسی محرک کی ضرورت ہے۔ آپ وہ محرک اپنے اندر پیدا کریں پھر ہم اسرار بھی آپ سے بیان کردیں گے۔ وہ محرک ہے اُنس و بے تکلفی۔ آدمی راز کی باتیں اپنے بے تکلف دوستوں ہی سے کیا کرتا ہے تو آپ پہلے چند بار ہمارے پاس آمدورفت کیجئے اور اُنس و بے تکلفی پیدا کیجئے جب کسی وقت طبیعت میں جوش ہوگا یہ اسرار بھی بیان کردیں گے جب وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے اور ان کے ساتھ اور بھی لوگ اٹھ گئے اور مجلس میں خاص احباب رہ گئے تو پھر میں نے معاصی اور طاعون میں تعلق اور ربط بیان کیا جو اپنے اکابر سے میں نے سنا تھا۔ جب وہ تقریر ختم ہوگئی تو بعض احباب کہنے لگے کہ وہ صاحب اگر اس تقریر کو سنتے تو اس کو بہت حظ آتا اور ہمارے حضرات کے علوم کے گرویدہ اور قائل ہوجاتے۔ میں نے کہا تم کیا جانو اُس کو اس تقریر سے ضرر (۲) ہوتا، گو اس خاص مسئلہ میں اس کو اطمینان ہوجاتا مگر آئندہ کے لیے یہ ضرر عظیم ہوتا کہ وہ اطمینان کو مطلوب سمجھے ہوئے تھا۔ اس تقریر سے اس کے خیال کی تائید ہوتی اور اس وقت جو تقریر میں نے ان سے کی ہے گو یہ ان کو ناگوار ہوئی ہوگی مگر اس سے ان کی بڑی غلطی کی اصلاح ہوگی کیونکہ یہ بات کسی نے بھی آج تک ان سے نہ کہی ہوگی کہ اطمینان ہی کی کیا ضرورت ہے اور آجکل اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں کہ اطمینان کو مطلوب اور ضروری سمجھتے ہیں اور بدون حصول اطمینان کے اوامر و اخبار شرعیہ کی تصدیق نہیں کرتے اور جو تصدیق کرتے بھی ہیں تو دبے دبے، کھل کر تصدیق نہیں کرتے کہ میں اس پر بے دلیل ایمان لایا، حالانکہ ضرورت اسی کی ہے۔

شبہات کا اصل علاج

یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ شبہات کا اصل علاج یہ ہے کہ محبت و عظمت، قلب

---

(۱) ''مصلحت وقت نہیں کہ راز کو پردہ سے باہر نکالا جائے ورنہ رندوں کی مجلس میں ایسی کوئی خبر نہیں جو نہ پہنچی ہو'' (۲) نقصان۔

میں پیدا کی جائے اور یہی علاج اس پریشانی کا بھی ہے جو امراض وبا وغیرہ سے ہوتی ہے۔ اب سوال یہ رہا کہ صاحب! خدا تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کیسے پیدا ہو۔ سو صاحبو! ہم ساری دنیا کو جنید بغدادی تو نہیں بنا سکتے کہ سب کے سب گناہوں کو چھوڑ کر ولی بن جائیں، مگر الحمد للہ خدا تعالیٰ کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ ساری مخلوق کو جس حال میں بھی وہ ہیں ہم عاشق ضرور بنا سکتے ہیں، پھر محبت کے بعد نہ شبہات قلب میں آئیں گے نہ حوادث سے پریشانی اور جس کو پریشانی ہو وہ محبت حاصل کر کے دیکھ لے کہ پریشانی فوراً رفع ہو جائے گی بشرطیکہ وہ ان تدابیر پر عمل کرے جو اس کی بتلائی جائیں۔

حب دنیا کا علاج

چنانچہ ایک شخص نے مجھ سے حب دنیا (۱) کی شکایت کی، میں نے اس کا علاج ذکر موت و مراقبہ موت تجویز کیا۔ چند روز کے عمل سے ان کو نفع ہوا مگر کہنے لگے کہ اس سے مرض حب دنیا تو کم ہو گیا مگر خود موت ہر وقت سامنے ہونے لگی جس سے جی گھبراتا ہے۔ میں نے کہا اس کا کیا علاج اور گو اس کا علاج بھی ہے مگر وہ مستقل علاج ہے جس کے لیے زیادہ وقت و فرصت چاہیے مگر ان سے نہ ہو سکا، انہوں نے سب چھوڑ چھاڑ دیا۔ بہرحال اگر ہمارے بتلائے ہوئے طریقہ پر استقلال (۲) سے عمل کیا جاوے تو ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں محبت و عظمت اور عشق کی کیفیت پیدا ہو جائے گی اور جو شخص کام ہی نہ کرے تو اس کا تو علاج ہی کچھ نہیں۔ لیجئے اب میں آپ سے یہ بھی نہیں کہتا کہ اپنی حالت کو بدلو، تمہیں اختیار ہے بدلو یا نہ بدلو لیکن اس کے ساتھ محبت و عظمت بھی حاصل کر لو اور یہ وسعت (۳) میں نے اس بھروسہ پر دی ہے کہ میں جانتا ہوں کہ محبت و عظمت پیدا ہونے کے بعد پھر آپ اس حالت موجودہ پر رہ ہی نہیں سکتے۔ یقیناً خود اس کی اصلاح کرو گے لیکن اس وقت تو آپ جو کچھ کریں گے خود اپنے شوق سے کریں گے نہ کہ ہمارے کہنے سے اور اس میں آپ کا حرج ہی کیا ہے کہ ہنستے گھر بس جائیں، کچھ

(۱) دنیا کی محبت (۲) مستقل مزاجی (۳) گنجائش۔

تکلیف وناگواری بھی نہ ہو اور عبادات وغیرہ ادا ہونے لگیں اور ناگواری کیسی بلکہ اس کا ایسا شوق ہوجائے کہ بدون (۱) ان کے چین ہی نہ آئے گا اور اگر کسی کو یہ بھی ناگوار ہو کہ بدون مشقت وکلفت (۲) کے بھی اصلاح کیوں ہو تو وہ قابل خطاب نہیں جیسا کہ بعض لوگ اسی لیے وعظ میں نہیں آتے کہ کہیں ہم کو ہدایت حق نہ ہوجائے مگر یہ تو وہی طریقہ ہے جو کفار نے اختیار کیا تھا۔ وہ کہتے تھے لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ (۳)

قرآن کی دلکشی

کیونکہ قرآن واللہ! ایسا دلکش ہے کہ خالی الذہن نے جہاں سنا وہ متاثر ہوا، خصوصاً وہ خالی الذہن جو عربی زبان کو بھی سمجھتا ہو اس لیے کفار کہا کرتے تھے کہ بس قرآن کو سنو ہی مت، کہیں ہمارے خیالات خود بخود ہی نہ بدل جائیں۔ اس کا تو سننا غضب ہے یہ دوڑ کر لپٹتا ہے۔ واقعی اگر کسی نے خالی الذہن ہو کر تھوڑی دیر کے لیے اس کو سن لیا تو وہ بدون متاثر ہوئے اٹھا ہی نہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریش کے چند بڑے بڑے منڈھ اکٹھے تھے۔ اس بارے میں مشورہ ہو رہا تھا کہ کسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نئے دین کی اشاعت سے روکنا چاہیے۔ مشورہ سے یہ طے ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو بھیجا جائے جو آپ کو لالچ یا طمع دلا کر اپنا موافق بنانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ اس کام کے لیے مغیرہ بن الولید کو تجویز کیا گیا (کیونکہ یہ بڑا تجربہ کار شاعر فصیح اور خطیب بلیغ ہونے کے علاوہ سلاطین کے درباروں میں بھی سفیر بن کر بارہا گیا تھا) اس نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کی طمع اور لالچ دی کہ اگر آپ کو سلطنت مطلوب ہو تو ہم آپ کو بادشاہ بنانے کو تیار ہیں، اگر مال کی ضرورت ہے تو ہم سونا چاندی کے ڈھیر لگا سکتے ہیں، اگر حسین جمیل عورتیں مطلوب ہیں تو عرب کی حسین سے حسین لڑکیاں آپ کے لیے موجود ہیں، مگر اس نئے مذہب کی اشاعت نہ کیجیے اور اگر آپ کو کچھ سحر یا آسیب کا خلل

(۱) بغیر (۲) پریشانی (۳) "اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے بیچ میں غل مچادیا کرو شاید تم ہی غالب رہو"۔

معلوم ہوتا ہو تو آپ فرمائیں کہ ہم کسی طبیب وغیرہ کو لائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو جو کہنا تھا کہہ چکے، کہا ہاں! فرمایا اب میں کہتا ہوں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ حم سجدہ پڑھنا شروع کی حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿۲﴾ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳﴾ بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۴﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ ﴿۵﴾(۱) بھلا اول تو قرآن خود ہی دلکش اور شیریں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش آوازی

پھر اوپر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا، آپ کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: کان احسن الناس صوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوش آواز تھے۔ صاحبو! جب ایک ادنیٰ عربی جو عربی طریقہ سے قرآن پڑھتا ہو سننے والوں کو مست کر دیتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا تو کیا کچھ ہوگا۔ بس اس کافر کی یہ حالت ہوئی کہ دونوں ہاتھ پیچھے کو ٹیک کر مبہوت (۲) بنا ہوا بیٹھ رہا۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ہے فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ (۳) تو یہ کہتا ہوا بھاگا کہ بس اب سننے کی تاب نہیں۔ جب یہ اپنی جماعت میں واپس آیا تو ابوجہل نے دور سے چہرہ دیکھ کر کہا کہ یہ تو جس حال میں گیا تھا اس پر لوٹ کر نہیں بلکہ کچھ بدل کر

---

(۱) ''یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے یہ ایک کتاب ہے جس میں آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی ہے ایسے لوگوں کے لیے جو دانشمند ہیں بشارت دینے والا ڈرانے والا ہے۔ اکثر لوگوں نے روگردانی کی پھر وہ سنتے نہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں میں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے آپ کے درمیان ایک حجاب ہے سو آپ اپنا کام کیے جائیں ہم اپنا کام کیے جائیں'' سورۂ فصلت: ۱۔۵ (۲) حیرت زدہ ہو کر (۳) ''پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد وثمود پر آفت آئی تھی'' سورۂ فصلت: ۱۳۔

آرہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سن کر متاثر ہو گیا ہے۔

ابو جہل بڑا معبر تھا

ابو جہل بڑا صاحب فراست تھا اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ معبر بھی بہت بڑا تھا اور اس سے معلوم ہوا کہ تعبیر خواص لازمہ بزرگی سے نہیں، ورنہ پھر ابو جہل کو بھی بزرگ مانو، بلکہ اس کا مدار عقل وفراست پر ہے۔ اگر کافر صاحب فراست ہو تو وہ بھی اچھی تعبیر دے سکتا ہے۔ مگر آج تعویذ گنڈوں کی طرح تعبیر کو بھی لوازم بزرگی سے سمجھ لیا ہے۔ بہر حال ابو جہل نے غضب کیا کہ دور سے صورت دیکھ کر ہی پہچان لیا کہ اس کے قلب کی حالت بدلی ہوئی ہے۔ جب پاس آیا تو پوچھا کہو کیا گفتگو ہوئی۔ اس نے کہا کہ میں نے ان کو ہر طرح کی لالچ وطمع دی۔ اس کے جواب میں انہوں نے قرآن کی تلاوت شروع کردی۔ کیا کہوں کیسا عجیب کلام ہے۔ کچھ دیر تک تو میں حیران ہو کر سنتا رہا۔ جب انہوں نے فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ [1] پڑھا تو مجھے ایسے معلوم ہوا کہ گویا اب مجھ پر بجلی گر پڑے گی، چونکہ قرآن میں یہ اثر ہے کہ خالی الذہن کو اس کی طرف خواہ مخواہ کشش ہوتی ہے، اس لیے کفار قرآن سنتے ہی نہ تھے کہ کہیں ہدایت نہ ہو جائے، بلکہ جب قرآن پڑھا جاتا وہ لوگ شور وشغب کرنے لگتے یا کانوں میں انگلیاں دے لیتے۔ افسوس یہی حال آج کل بعض مسلمانوں کا ہے کہ وہ بھی وعظ میں اس لیے نہیں آتے کہ کہیں خود بخود اصلاح نہ ہو جائے۔ چنانچہ اہل باطل اپنے لوگوں کو ہماری جماعت کے اختلاط سے روکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان دیوبندیوں کے تو پاس جانے اور ان کی صورت دیکھنے سے بھی دوسرے پر اثر ہوتا ہے۔

دیوبندیوں کا رنگ پختہ ہوتا ہے

مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کے پاس دیوبند سے فارغ ہو کر بعض طلباء

---

(۲) ”پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد وثمود پر آفت آئی تھی“ سورۂ فصلت: ۱۳۔

معقول پڑھنے جایا کرتے تھے کیونکہ وہ معقول میں مشہور تھے۔ پھر درس کے اندر مولانا کبھی کبھی اپنے مسلک کی تائید وتقویت میں تقریر کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ یہ دیوبندی بھی ہمارے مسلک کو تسلیم کرلیں، کیونکہ استاد طبعاً چاہا کرتا ہی ہے کہ شاگرد میرے مسلک پر ہوتو اچھا ہے مگر ایک دن مایوس ہوکر کہنے لگے کہ ارے دیوبندیوں کا رنگ ایسا پختہ ہوتا ہے کہ اس پر دوسرا رنگ چڑھتا نہیں ہے اور یہ ہر رنگ پر جلدی سے چڑھ جاتا ہے۔ اسی لیے اہل باطل اپنی جماعت کو دیوبندیوں سے روکتے ہیں اور بعض لوگ خود بھی اس خوف سے رُکتے ہیں کہیں ہم بھی ایسے نہ ہوجائیں۔ ایک مولوی صاحب الہ آبادی ہمارے دوست ہیں، انگریزی میں بی اے فیل ہیں (تبسم کرتے ہوئے فرمایا) یہ بھی ایک فخر ہے کہ ہمارے دوستوں میں بھی بی اے ہیں، گو فیل وہ اپنے کسی فعل سے ہوئے اب الہ آباد کے ایک سکول میں مدرس ہیں۔

حضرت حکیم الامت کے وعظ کا اثر

جب میں الہ آباد ایک بار گیا تو وہ مولوی صاحب وعظ سننے آئے اور ان کے ساتھ سکول کے طلباء بھی آئے۔ پھر دوبارہ وعظ ہوا اور ان مولوی صاحب نے سکول کے طلباء سے کہا کہ وعظ میں چلتے ہو؟ کہنے لگے کہ نہیں صاحب! ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہم بھی تم جیسے نہ ہوجائیں۔ پہلے ہی وعظ میں ہم کو اندیشہ ہو رہا تھا کہ کہیں ہمارے خیالات ترقی بدل نہ جائیں اور صاحب ہمیں تو ابھی بہت کام کرنا ہیں، ملازمت وغیرہ کی اُمیدیں ہیں، ہم ابھی سے تارک وزاہد کیونکر بن سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے مریض یوں کہے کہ ہمیں تو صحت مرغوب نہیں بلکہ مرض ہی محبوب ہے، کیونکہ اس وقت خمیرہ گاؤزبان تو کھانے کو ملتا ہے اس کمبخت کو یہ معلوم نہیں کہ صحت میں وہ لذت ہے کہ تندرست آدمی کو روکھی روٹی بھی خمیرہ گاؤزبان سے زیادہ لذیذ معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اشتہا(۱) صادق ہوتی ہے۔ اسی طرح لوگ طاعات میں لگ جانے سے ڈرتے ہیں

---

(۱) بھوک خوب لگی ہوتی ہے۔

اور یوں سمجھتے ہیں کہ معاصی[1] کی لذت ہم سے چھوٹ جائے گی، حالانکہ بخدا طاعات[2] میں وہ لذت ہے جو معاصی میں ہرگز نہیں، مگر میں ایسا طریقہ بتلاتا ہوں کہ معاصی کے ساتھ بھی آپ کو راحت باطنی حاصل ہو جائے گی۔ پھر رفتہ رفتہ معاصی بھی چھڑا دے گی، وہ طریقہ محبت ہے۔

راحت باطنی کی تحصیل کا طریق

اس کی تحصیل کے لیے دو طریقے ہیں: یا تو اول طاعات[3] میں مشغول ہو اس سے محبت پیدا ہو جائے گی یا اول محبت حاصل کرے اس سے معاصی چھوٹ کر طاعات کی توفیق ہو جائے گی یہ بات حق تعالیٰ ہی کے دربار میں ہے۔ کہ چاہے کہ پہلے بی اے پاس کرلو پھر ملازمت لے لو یا پہلے ملازمت کرلو پھر ساتھ ساتھ بی اے بھی ہوتا رہے گا سلاطین دنیا کے یہاں تو یہ قاعدہ ہے کہ پہلے امتحان پاس کرو پھر ملازمت ملے گی اور جو شخص پہلے ملازمت لینا چاہے تو اول تو ایسے جاہل کو جس نے کوئی امتحان پاس نہ کیا ہو ملازمت ہی نہیں ملتی اور جو محنت و مزدوری کی قسم سے کچھ ملتی بھی ہو تو اس کے ساتھ تکمیل علم نہیں ہو سکتی۔ ایسا دربار کہاں ہے کہ چاہے اول علم و عمل حاصل کرلو تب ملازمت مل جاتی ہے یا پہلے ملازمت کرلو تو تعلیم بھی کامل ہو جاتی ۔یہ [illegible] عجیب دربار ہے اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں: تعلمنا العلم لغیر اللہ [illegible]بی ان یکون الا اللہ کہ ہم نے علم دین پڑھا تو تھا غیر خدا کے لیے مثلاً منصب [illegible]غیرہ حاصل کرنے کے لیے کیونکہ پہلے تو علماء بڑے بڑے منصب والے تھے قاضی، مفتی، منصف، صدر اعلیٰ اور وزیر اور متولی اوقاف وغیرہ) ان عہدوں پر یہی ہوتے تھے اور اسی کا یہ اثر ہے کہ اب بھی وکیل صاحب اور ڈپٹی کلکٹر صاحب مولوی کہلاتے ہیں کیونکہ اس منصب پر قدیم زمانہ میں علماء ہی ہوتے تھے اب ذوات کی تو تبدیلی ہوگئی مگر عہدہ کے لیے مولوی صاحب کا لقب باقی رہ گیا کانپور میں ایک وکیل صاحب کے یہاں ناچ تھا تو لوگ بازار میں ایک دوسرے سے یوں کہتے

---

(۱) گناہوں کی (۲) نیکیوں میں (۳) عبادات۔

تھے کہ میاں چلوں آج فلاں مولوی صاحب کے یہاں ناچ ہے کیونکہ وہ وکیل صاحب مولوی مشہور تھے مگر بس ایسے ہی مولوی تھے (یعنی خدائی مولوی نہ تھے سرکاری مولوی تھے ۱۲) اور غدر سے پہلے تو عموماً انگریزی حکومت کے بھی بڑے بڑے عہدوں پر علماء ہی مقرر ہوا کرتے تھے مگر اب کچھ دنوں سے جبکہ انگریزی دانی کی شرط لگ گئی علماء ان سے علیحدہ ہوگئے۔

حکایت مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوٹی

مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوٹی بڑے فاضل تھے خصوصاً ادب و معقول میں بہت مشہور تھے ان کے پاس وکالت کا پاس موجود تھا کیونکہ ابتداء میں اس کے لیے انگریزی دانی کی ضرورت نہ تھی۔ مولوی صاحب معقولی تو بہت تھے مگر نظائر وغیرہ بہت کم دیکھتے تھے اور آج کل مقدمات زیادہ تر نظائر پر ہوتے ہیں اس لیے بحث میں مولوی صاحب کی وکالت زوردار نہ تھی مگر پھر بھی لوگ ان کے پاس مقدمات بہت زیادہ لاتے تھے کیونکہ اکثر حکام مولوی صاحب کے شاگرد تھے بس جس مقدمہ میں آپ کی بحث کمزور ہوتی شام کو حاکم کے بنگلہ پر پہنچ گئے اور فرمایا دیکھو جی! اس طرح فیصلہ کرنا پڑے گا۔ ایک ڈپٹی یا منصف کہتے تھے کہ مولوی صاحب تو زبردستی کی وکالت کرتے ہیں کہ ہماری گردنیں دباتے ہیں ہم ان کی بات کو رد نہیں کرتے کیونکہ استاد ہیں عوام کو یہ راز معلوم ہوگیا ہے اس لیے مقدمات ان کے پاس خاصے جمع ہوجاتے ہیں۔

ایک بھولے مولوی صاحب کی وکالت کی حکایت

ایک اور مولوی صاحب وکالت کرتے تھے مگر بھولے بہت تھے ایک دفعہ آپ مدعیٰ علیہ کے وکیل تھے مگر عدالت میں پہنچ کر برعکس (۱) یہ خیال رہا کہ مدعی کا وکیل ہوں اب آپ نے مدعی کا حق ثابت کرنے کے لیے تقریر شروع کی اور اس کی تائید میں چودہ پندرہ دلیلیں بیان کیں مدعی علیہ کا تو رنگ زرد ہوگیا کہ مولوی صاحب تو میرے

(۱) الثانیہ خیال رہا کہ مدعی کا وکیل ہوں۔

وکیل تھے یہ مدعی کی تائید کیوں کرنے لگے پھر سمجھا کہ مولوی صاحب بھولے تو ہیں ہی شاید وہ بھول گئے کہ میں کس کا وکیل تھا آخر اس نے مولوی صاحب کو اشارہ کیا آپ سمجھ گئے کہ میں نے تو ساری تقریر اپنے موکل کے خلاف کی مگر ذہانت تو دیکھئے کہ مدعی کی اس قدر تائید کر کے آپ نے تقریر کا رخ کس خوبصورتی سے بدلا کہ چودہ پندرہ دلائل قائم کر کے آپ نے مدعی سے اور اس کے وکیل سے دریافت کیا کیوں صاحب آپ کے پاس یہی دلائل ہیں یا کچھ اور بھی ہیں، مدعی کے تو باپ کو بھی یہ دلائل نہ سوجھتے اس نے خوش ہو کر کہا ہاں حضور میرے یہی دلائل ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ یہ سب دلائل غلط اور لغو ہیں میں ان سب کا جواب دیتا ہوں پھر ایک ایک کر کے سب کو توڑ دیا تمام عدالت والے حیران تھے کہ بُھولے(۱) پر بھی کس خوبصورتی سے مقدمہ کو سنبھالا ہے اور جن دلائل کو اول نہایت زور کے ساتھ خود قائم کیا تھا ان کو کس قوت کے ساتھ بعد میں توڑا ہے۔

مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب کی بیباکی

کانپور میں ایک مولوی صاحب سب جج تھے اس وقت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب بھی کانپور میں موجود تھے۔ یہ شاہ سلامت اللہ صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے وعظ کے بعد کسی نے شاہ صاحب سے استفسار کیا وہ سب جج بھی حاضر تھے آپ نے جواب دیا اس نے کہا حضور میں نے سب جج صاحب سے بھی یہ مسئلہ دریافت کیا تھا وہ تو یوں کہتے ہیں پہلے زمانہ کے مولوی تو آزاد تھے اور اہل کمال مستغنی ہوا ہی کرتے ہیں شاہ صاحب نے بے ساختہ فرمایا کہ سب جج صاحب گوہ کھاتے ہیں۔ اس پر جج صاحب کی اہلیت دیکھئے کہ باوجود عالم ہونے کے برا نہیں مانا بلکہ ادب سے عرض کیا کہ حضرت نے سچ فرمایا واقعی میں تو دنیا کا کتا ہوں مجھے افتاء کا کام کرنا زیبا نہیں یہ کام تو آپ ہی حضرات کا ہے۔

آج کل ہر شخص آزادی کا طالب ہے

آج کل اگر کوئی مولوی کسی کو ایسا سخت کلمہ کہہ دے تو اسے بے تہذیب وغیرہ

(۱) بھول جانے کے باوجود۔

کا خطاب مل جائے کیوں صاحب آج کل تو ہر شخص آزادی کا طالب ہے پھر مولویوں کو بھی تو آزادی دو ورنہ ان کو مولوی نہ کہو کیونکہ مولوی کہنا گویا اپنے سے بڑا تسلیم کرنا ہے پھر ان کو پابند کرنا اور خود آزاد ہونا خلاف انسانیت ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ پہلے حکومت کے بڑے بڑے عہدے مولویوں کے ہاتھ میں تھے اور اس زمانہ میں بھی ریاستوں کے اندر قاضی وغیرہ علماء ہی ہوتے ہیں چنانچہ ہمارے ایک دوست ابھی حیدر آباد کے قاضی ہوئے تھے ایک ہزار روپے تنخواہ تھی ایک اور مولوی صاحب حیدر آباد میں ہیں جو مالی خدمت پر ہیں ان کی دو ہزار روپے تنخواہ ہے گو دل تو نہیں چاہتا کہ مولویوں کی تنخواہ پچاس ساٹھ سے بڑھے۔ پہلے تو دس بیس سے زیادہ کو جی نہ چاہتا تھا مگر اب ویسی برکت نہیں رہی تو اب پچاس ساٹھ سے زیادہ کو دل نہیں چاہتا کیونکہ زیادہ تو ہیضہ ہے مگر ظاہر میں اہل دنیا کے سامنے فخر کرنے کو ایسی حکایتیں بیان کر کے جی خوش ہو جاتا ہے کہ ہماری جماعت میں بھی ایسے ترقی یافتہ موجود ہیں جن کی تنخواہ ہزار دو ہزار ہے اور بدون انگریزی پڑھے ہوئے ان کی اس قدر تنخواہ ہو گئی گو اندر سے دل خوش نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کا حصہ بند کرنے کو ایسے واقعات اچھے ہیں جو یہ کہتے ہیں علم دین سے آدمی دنیا کے کام کا نہیں رہتا اور اس زمانہ سے پہلے زمانہ میں تو علماء ہی کے لیے یہ مناسب مخصوص تھے دوسروں کو ملتے ہی نہ تھے۔

علم دین کا اثر

اسی طرف اشارہ کر کے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ گو ہم نے علم تو حاصل کیا تھا دوسری غرض سے کہ قاضی یا مفتی یا وزیر ہو جائیں مگر علم کسی کا ہو کر نہ رہا وہ خدا تعالیٰ ہی کا ہو کر رہا اور آخر کار ہم کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف کھینچ کر پہنچا دیا۔ واقعی یہ علم دین ضرور اثر کرتا ہے کبھی نہ کبھی اپنا رنگ دکھاتا ہے۔

غیر اللہ کی خاطر علم دین حاصل کرنا کیسا ہے

اسی واسطے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ گو وہ علم دین جو لغیر اللہ (۱)

(۱) یعنی مناصب کے حصول کے لیے پڑھے اللہ کی رضاء کے لیے نہ پڑھے۔

پڑھا جائے موجب ثواب اور سبب فضیلت نہیں مگر معقول وغیرہ (۱) سے پھر بھی اچھا ہے کیونکہ اس میں اخلاق حسنہ واعمال واجبہ کی تعلیم تو ہے اور ان کے ترک پر وعیدیں بھی مذکور ہیں جن سے کسی قدر خشیت (۲) ضرور پیدا ہوگی جو کبھی نہ کبھی اپنا اثر دکھاوے گی اور معقول میں یہ بات کہاں وہاں تو سوائے قیل وقال کے کچھ بھی نہیں۔ نہ کسی واجب کا امر نہ اس کے ترک پر وعید، تو جیسے علم لغیر اللہ بھی نافع (۳) ہو جاتا ہے اور ایک وقت میں وہ خدا تعالیٰ کا بنا دیتا ہے اسی طرح میں کہتا ہوں کہ تم محبت پیدا کرلو یہ خود ہی سب معاصی کو چھڑا دے گی اور یہ بھی لازم نہیں کہ پہلے معاصی (۴) کو چھوڑو تب محبت حاصل کرو بلکہ تم جس حال میں ہو اسی حال میں آجاؤ اور طریقہ پر عمل کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ اس حال میں بھی محبت پیدا ہو جائے گی۔ پھر یہ خود ہی معاصی کو بھی جلا پھونک دے گی۔

حرکت میں برکت

ہمارے حاجی صاحب اور حافظ محمد ضامن صاحب رحمہا اللہ تعالیٰ کی رائے میں بیعت کے متعلق اختلاف تھا۔ حافظ صاحب کی رائے یہ تھی کہ طالب طریق کو اصلاح اخلاق کا طریقہ اول بتلا دیا جاوے، جب اخلاق درست ہو جائیں تب داخل سلسلہ کیا جائے اور حاجی صاحب کی رائے یہ تھی کہ اول سلسلہ میں داخل کر لیتے پھر اصلاح فرماتے پھر اصلاح یا تو شیخ کی برکت سے ہو جائے یا کسی حرکت سے ہو جائے یعنی وہ حرکت یا مرید کی طرف سے ہو یا شیخ کو اجازت دو کہ وہ حرکت کر کے تمہاری مرمت کیا کرے تو صاحب حاجی صاحب میں تو برکت بہت زیادہ تھی اس لیے وہاں داخل سلسلہ کرتے ہی مرید کی اصلاح ہو جاتی تھی اور ہم لوگوں میں یہ برکت کہاں، یہاں تو حرکت سے کام چلے گا۔

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت

حضرت حاجی صاحب کی تو برکت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک رند صاحب مجھ سے

---

(۱) منطق وفلسفہ سے پھر بھی بہتر ہے (۲) خوف خدا ضرور پیدا ہوگا (۳) ایسا علم دین جو غیر اللہ کے لیے حاصل کیا جائے، وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں (۴) گناہوں کو۔

خود اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ وہ حضرت کی خدمت میں بیعت ہونے آئے اور بیعت کے وقت کہنے لگے حضرت میں اس شرط سے بیعت ہوتا ہوں کہ ناچ دیکھنا نہ چھوڑوں گا اور نماز نہیں پڑھوں گا حضرت نے یہ شرط منظور فرمالی اور فرمایا بھائی! ایک شرط ہماری بھی ہے وہ یہ کہ ہم کچھ مختصر سا ذکر بتلادیں گے تھوڑی دیر کا ہے تم روزانہ بلاناغہ اسے کرلیا کرنا۔ اس نے یہ شرط منظور کرلی اور حضرت نے بیعت فرمالیا یہاں اہل ظاہر کو شبہ ہوگا کہ حضرت نے اس شخص کو ناچ دیکھنے اور نماز نہ پڑھنے کی اجازت دے دی۔ یہ غلط ہے بلکہ یہ محض ظاہر میں اجازت تھی اور باطناً اس کو اچھی طرح جکڑ دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ اس واقعہ کی نظیر ہے جو حدیث میں آتا ہے کہ وفد بنی ثقیف نے اسلام لانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط کی تھی کہ ہم زکوٰۃ نہ دیں گے اور جہاد نہ کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو منظور فرمالیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اشکال پیش آیا اور انہوں نے آپ سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ان کو اسلام تو لانے دو۔ اسلام کے بعد وہ سب کچھ کریں گے۔ چنانچہ واقعی اسلام لانے کے بعد ان لوگوں نے سب کچھ کیا۔ اسی طرح حاجی صاحب کو حق تعالیٰ کے بھروسہ پر یہ اعتماد تھا کہ خدا تعالیٰ کا نام لینا جب یہ شروع کرے گا تو نماز بھی پڑھے گا اور ناچ بھی چھوڑ دے گا۔ چنانچہ حضرت کا خیال درست ہوا۔ حضرت کی برکت دعاء و توجہ کا اس طرح حق تعالیٰ نے ظہور فرمایا کہ جب بیعت ہونے کے بعد پہلی ہی نماز کا وقت آیا تو اس شخص کے بدن میں خارش پیدا ہوئی، گویا ایک غیبی سپاہی مسلط ہوگیا، خارش اس قدر بڑھی کہ ذرا سی دیر میں بے چین کردیا اور جو جو تدبیریں کرتے ہیں زیادتی ہی ہوتی چلی جاتی ہے۔ پھر خیال آیا کہ لاؤ ذرا ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھولیں شاید اس سے کچھ گرمی کو سکون ہو ہاتھ پاؤں پر پانی ڈال کر یہ خیال ہوا کہ لاؤ وضو ہی کرلیں۔ وضو کا پورا ہونا تھا کہ آدھی خارش کم ہوگئی پھر خیال ہوا کہ لاؤ نماز بھی پڑھ لیں کوئی نماز پڑھنے سے قسم تو کھائی نہیں ہاں پیر سے یہ شرط کرلی ہے کہ نماز کی پابندی نہ کرنے پر مجھ کو ٹوکا نہ جائے چنانچہ نماز کو کھڑے ہوگئے۔ نماز کا شروع کرنا تھا کہ خارش کو بالکل سکون ہوگیا ایک

وقت تو اس کو اتفاقی امر سمجھا گیا مگر جب دوسرے اور تیسرے وقت بھی یہی کیفیت ہوئی کہ نماز سے بالکل سکون ہوجاتا تو وہ شخص سمجھ گیا کہ یہ پیر کی کرامت ہے مجھ سے تو کہہ دیا کہ شرط منظور ہے اور اندر ہی اندر ایک سپاہی مسلط کردیا پھر وہ نماز کے پابند ہوگئے پھر یہ خیال ہوا کہ پانچ وقت دربار الٰہی میں حاضری دے کر پھر ناچ کیا دیکھیں سو ناچ سے بھی ان کو نفرت ہوگئی تو حضرت کی تو ایسی برکت تھی کہ دوسرا کچھ کرنا بھی نہ چاہے جب بھی وہ دوسرے طریقہ سے کام لے لیا کرتے تھے لیکن اب ایسی برکت کہاں۔ اب تو اس کی ضرورت ہے کہ طالب خود بھی کچھ کرے اور جو طریقہ بتلایا جائے اس پر عمل کرے خواہ کامل مجاہدہ نہ کرے۔ اس سے تو ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں محبت پیدا ہوجائے گی۔

محبت قائد ہے

چونکہ میرے شیخ کا یہی طرز تھا کہ وہ اول طالب کے اندر محبت پیدا کرتے تھے پھر اعمال وغیرہ اصلاح کرتے تھے یہی طرز مجھے بھی پسند ہے تو محبت قائد ہے (۱) اس سے انسان خود بخود بہت جلد حق تعالیٰ تک کھنچا چلا جاتا ہے اور خوف سائق (۲) ہے، وہ پیچھے سے ہانکتا ہے کہ گو جی نہ چاہے مگر زبردستی چلنا پڑتا ہے۔ اسی واسطے کفار کے بارے میں فرماتے ہیں وَسِيقَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا (۳) کہ وہ جہنم کی طرف باوجود کراہت کے پیچھے سے ہانک کر لیجائیں گے جیسے جانوروں کو لے جایا جاتا ہے، مگر شاید یہاں کسی کو اشکال ہو کہ اس کے بعد مسلمانوں کے واسطے بھی وَسِيقَ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوۡاْ رَبَّهُمۡ إِلَى ٱلۡجَنَّةِ زُمَرًا (اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے) فرمایا گیا ہے تو کیا وہ بھی اسی طرح ہانک کر لے جائے جائیں گے اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس جگہ سوق کا اطلاق مشاکلت کے طور پر ہے جیسے جزاء سیئة سیئة مثلها (برائی کا بدلہ برائی ہے مثل اس کے) اور اگر مشاکلت نہ ہو تو پھر جواب یہ ہے کہ سوق کے اصل معنی تقاضا سے لیجانا

(۱) قیادت کرنے والی (۲) پیچھے سے دھکیلنے والا (۳) ”اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جائیں گے“ سورۃ الزمر: ۷۱۔

ہے۔ پھر کبھی تو تقاضا کے ساتھ تذلیل بھی ہوتی ہے جب کہ دوسرا شخص جانا ہی نہ چاہے اور کبھی محض تقاضا ہوتا ہے تذلیل نہیں ہوتی جیسے آپ اپنے لڑکے کو ساتھ لیکر سفر میں جائیں اور وہ راستہ میں ہر شہر کی سیر کرنا اور ہر دوکان و بازار کو دیکھنا چاہے تو آپ تقاضا کرتے ہیں کہ میاں جلدی چلو یہاں کیا رکھا ہے منزل پر پہنچ کر ہر قسم کا سامان راحت مہیا ملے گا اس صورت میں بھی سوق کا (۱) اطلاق ہوسکتا ہے مجھے خوب یاد ہے کہ ایک بار میں تھانہ بھون سے دیوبند گھوڑے پر گیا تھا ایک مزدور یا ملازم ساتھ تھا اور کوئی بڑا ساتھ نہ تھا۔ جھڑ بیریوں کا موسم تھا تو میں راستہ میں جگہ جگہ اترتا اور بیر توڑ کر کھاتا رہا یہاں تک کہ بہت دیر ہوگئی اور دیوبند ناوقت پہنچا۔ اگر اس وقت کوئی شفیق اور خیر خواہ میرے ساتھ ہوتا تو وہ ضرور مجھے اس حرکت سے روکتا اور تقاضا کر کے منزل پر جلدی پہنچانے کی کوشش کرتا ان مقدمات کو سن کر اب سمجھئے کہ جنت میں جیسی لذت و راحت ہے وہ ظاہر ہے، مگر جنت کے اردگرد بھی پھول پھلواری اور زینت و آرائش اس قدر ہیں کہ دنیا میں کسی کے خواب میں بھی نہ آئی ہوگی تو جس وقت مسلمان جنت کی طرف چلیں گے اس وقت وہ راستہ کی زینت اور آرائش کی سیر میں مشغول ہوجائیں گے اور اس کے دیکھنے کے لیے ٹھہر جائیں گے کہ بھائی یہ پھول پتی بڑی عجیب ہے ذرا اس کی بھی تو سیر کرلیں یہ باغ تو نہایت ہی بے نظیر ہے اس کو بھی تو دیکھیں اس وقت فرشتے تقاضا کریں گے کہ تم کاہے کی سیر میں لگ گئے ہو تم جلدی سے جنت میں پہنچو وہاں ان سب سے زیادہ عجیب و غریب پھول پھلواری اور میوہ جات ہیں اور وہاں حوریں ہیں غلمان ہیں ذرا تم قدم اٹھا کر وہاں تو پہنچ جاؤ پھر ان سب کو بھول جاؤ گے یہ سن کر مسلمان کچھ تیزی کریں گے کہ تھوڑی دور پر کوئی اور سیر گاہ نظر پڑے گی، اس کی سیر کرنے لگیں گے۔ فرشتے پھر جلدی چلنے کا تقاضا کریں گے کیونکہ وہ خیر خواہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ جنت کو دیکھ کر یہ خود افسوس کریں گے کہ ہم نے خواہ مخواہ راستے کی چیزوں میں دیر کی جنت کے سامنے تو سب گرد ہیں اس واسطے مسلمانوں کے لیے بھی وسیق فرمایا کیونکہ یہ بھی تقاضا کے ساتھ لے جائے جائیں گے گو ان کا تقاضا اور طرح کا

(۱) دھکیل کر لیجانا صادق آسکتا ہے۔

ہے اور کفار کا تقاضا دوسری طرح کا ہے مگر معنی سوق کے دونوں جگہ متحقق ہیں یہ تو درمیان میں ایک نکتہ کا بیان تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ محبت سب سے بڑا قائد ہے اس وقت میں اسی کو قائد بناتا ہوں اور اس پریشانی کا علاج اس سے کرنا چاہتا ہوں مگر اول آیت کا حاصل سن لیجیے۔

آیاتِ متلوہ کا شانِ نزول

حق تعالیٰ فرماتے ہیں أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ (۱)
کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں سنی جو اپنے گھروں سے نکل گئے تھے یہ استفہام تعجیب کے لیے ہے کہ یہ قصہ بہت عجیب ہے چنانچہ ہمارے محاورات میں بھی ایسے موقع پر کہا کرتے ہیں کہ تمہیں خبر بھی ہے آج ایسا ہو گیا اس سوال و استفہام سے محض تعجب دلانا مقصود ہوتا ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قصہ بنی اسرائیل کی ایک بستی کا ہے وہاں طاعون ہوا تھا جس سے گھبرا کر لوگ بھاگ گئے مگر حق تعالیٰ نے حَذَرَ الْمَوْتِ (موت سے ڈر کر) فرمایا ہے حذر الطاعون (طاعون سے ڈر کر) نہیں فرمایا کیونکہ خوف تو اصل موت ہی کا ہے اور طاعون کا خوف بھی اسی لیے ہے کہ وہ اسباب موت سے ہے فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا حق تعالیٰ نے ان سب کو کہا مر جاؤ سب مر گئے، موت ہی سے بھاگے تھے اور موت ہی نے پکڑ لیا۔ واقعی خدا تعالیٰ کے سوا کسی جگہ پناہ نہیں مل سکتی بھاگنے سے کیا ہوتا ہے بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ طاعون سے بھاگنے والے بہت کم بچتے ہیں وہ دوسری جگہ جا کر بھی مبتلائے طاعون ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ لوگ دوسروں کی نظروں میں ذلیل بھی ہوتے ہیں دوسری بستی والے ان سے ملنے ملانے میں پرہیز کرتے ہیں۔ پھر ذلت گوارا کرنے پر موت سے وہاں بچاؤ نہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گر گریزی بر امید راحتے　　ہم ازاں جا پیشت آید آفتے
ہیچ کنجے بے دو و بے دام نیست　　جز بخلوت گاہ حق آرام نیست (۲)

ثُمَّ أَحْيَاهُمْ یعنی پھر حق تعالیٰ نے ان کو دفعۃً زندہ کر دیا بعض روایتوں میں آتا ہے کہ

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۴۳ (۲) ''کوئی آدمی راحت کی تلاش میں کہیں بھی چلا جائے اس کو وہاں مصیبت ہی پیش آئے گی کوئی جگہ تکلیف و پریشانی سے خالی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کی معیت کے کہیں آرام نہیں ہے''

حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوئے ایک تو ان سب کا دفعۃً مرجانا عجیب تھا پھر سب کا دفعۃً زندہ ہوجانا اس سے بڑھ کر عجیب ہوا کیونکہ موت کے لیے تو اہل طبیعات ظاہر میں کوئی سبب تراش بھی سکتے تھے مثلاً یہی کہ طاعون کی جگہ سے آرہے تھے وہاں کی آب وہوا اثر کرچکی تھی اس لیے مرگئے مگر زندہ ہونے کے لیے کوئی سبب نکالا جائے گا اور اگر اس کا بھی کوئی سبب ہوتا تو لوگ اس کو بھی اختیار کرتے اور کسی کو دعویٰ ہو کہ اس کا بھی کوئی طبعی سبب تھا تو میں ان سے کہتا ہوں کہ ذرا مہربانی کرکے آج کل بھی اس سے کام لیکر دکھا دیجئے اور حقیقت میں تو ان کی موت بھی بلا سبب ظاہری تھی کیونکہ تبدیل آب وہوا کو اور طاعون کی جگہ سے چلے جانے کے اطبا یا ڈاکٹر تو سبب موت کہہ نہیں سکتے بلکہ وہ تو اس کو سبب حیات بتلاتے ہیں رہا اثر سابق سو اول تو موثر سے بعد(۱) میں اس کے اثر کو ضعیف ہوجانا چاہئے نہ قوی(۲)۔ دوسرے اتنی بڑی جماعت میں ایک وقت میں اور ایک درجہ میں اثر ہونا یہ خود قانون طبعی کے خلاف ہے پس واقع میں سب کا دفعۃً مرجانا اور دفعۃً زندہ ہوجانا دونوں واقع عجیب اور خلاف عادت ہی تھے جن سے حق تعالیٰ کو اس امر کا اظہار مقصود تھا کہ احیاء واماتت ہمارے قبضہ میں ہے کہ خلاف مقتضاء اسباب بھی واقع کرسکتے ہیں فرار سے کچھ نہیں اور پہلی امتوں میں ایسے عجائبات بہت ہوتے تھے آج کل ایسی کھلی کھلی نشانیاں ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ اب تو جو کچھ ہوتا ہے اسباب کے درجہ میں ہوتا ہے کیونکہ کھلم کھلا واقعات کے بعد انکار کرنے پر عذاب بھی بہت سخت ہوتا تھا اور اس امت پر رحمت زیادہ ہے اس لیے اب جو کچھ نشانات ظاہر ہوتے ہیں اسباب کے پردہ میں ہوتے ہیں ان سے عدم تذکیر پر عذاب بھی کم ہوتا ہے۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس امت کے کفار پر بھی رحمت ہے کہ پہلی امتوں کے کفار کی طرح ان پر سخت عذاب نہیں آتا اس کے بعد فرماتے ہیں:

إِنَّ ٱللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى ٱلنَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ (۳) یہاں مفسرین نے الناس کو عام لیا ہے اور یہ مطلب بیان کیا

(۱) دوری میں (۲) اثر کمزور ہونا چاہتے مضبوط نہیں۔ (۳) ''یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت فضل فرماتے ہیں لیکن اکثر شکر نہیں کرتے'' سورۃ البقرہ: ۲۴۳۔

ہے کہ حق تعالیٰ لوگوں پر بہت فضل کرنے والے ہیں کہ ایسے ایسے عجائبات وواقعات سے ان کو ہدایت فرماتے ہیں یا یہ کہ قہر کے بعد لطف بھی بے انتہا ہوتا ہے تو فضل سے مراد یہ لطف ہوجاوے گا مگر میرے ذوق میں الناس سے یہاں مراد اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کا امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل عظیم

بنی اسرائیل کا واقعہ سنا کر یہ مضمون حق تعالیٰ نے ہم کو سنایا ہے کہ تم پر اے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ پہلے لوگوں کے قصے سنا کر تم کو عبرت دیتے ہیں یہ نہیں کیا کہ تم کو معذب کر کے دوسروں کو عبرت دیں جیسے ایک شاعر کے متعلق کسی قصور پر بادشاہ نے حکم قتل صادر فرمایا تو وہ بادشاہ سے لجاجت کے ساتھ معافی چاہنے لگا کہ مجھے قتل سے معاف کیا جائے۔ بادشاہ نے کہا ہرگز نہیں کیونکہ تمہارے قتل میں حکمت ہے کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ شاعر نے کہا حضور یہ حکمت تو اس طرح بھی حاصل ہوسکتی ہے کہ آپ کسی دوسرے کو مار دیجئے تا کہ مجھے عبرت ہو۔ یہ جواب سن کر بادشاہ کو ہنسی آگئی ایشیائی بادشاہوں کی تو ہنسی ہی معافی ہے۔ اس کو چھوڑ دیا تو جیسے اس شاعر نے کہا تھا کہ دوسرے کو مار دیجئے تا کہ مجھے عبرت ہو حق تعالیٰ نے آپ کے وسطے ایسا ہی کیا کہ دوسروں کو تمہارے لیے نمونہ عبرت بنا دیا۔ تم کو ہلاک کر کے کسی کے لیے نمونہ عبرت نہیں بنایا۔

اعتقاد کی اصلاح

چنانچہ اس قصہ میں ہمارے لیے چند سبق ہیں اس سے ہمارے اعتقاد کی بھی اصلاح کی گئی ہے اور اعمال کی بھی۔ اعتقاد کی اصلاح تو یہ ہوئی کہ اب اس واقعہ کو سن کر تم اسباب کو موثر نہ سمجھو گے جیسا کہ آج کل بعض ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس بستی میں طاعون ہو وہاں رہنے سے طاعون ضرور ہی ہوجائے گا(۱)۔ پھر اس خیال سے دوسرا خیال یہ پیدا ہوتا کہ طاعون کی جگہ سے بھاگنا چاہئے چنانچہ بہت لوگ ہماری اس بستی میں سے بھی بھاگنے لگے کوئی میرٹھ جاتا ہے کوئی کیرانہ اور

(۱) جیسے آج کل کرونا کے بارے میں یہی خیال ہو رہا ہے کہ کرونا میں مبتلا شخص کے پاس جانے سے ضرور کرونا ہوجائے گا

مظفر نگر جا رہا ہے۔ [1]

مقام طاعون سے بھاگنے کے حرام ہونے کا سبب

حالانکہ احادیث میں تصریح ہے کہ فرار من الطاعون (طاعون سے بھاگنا) ایسا حرام ہے جیسے کفار کے مقابلہ سے بھاگنا۔ اس پر بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے لو صاحب! شریعت نے احتیاط کو بھی حرام کر دیا چند سال ہوئے ایک پنشنر تحصیلدار صاحب نے مجھ سے ہی کہا تھا کہ طاعون کی جگہ سے بھاگنا طبعاً مفید ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی جگہ کو چھوڑ دیا جائے پھر شریعت نے اس احتیاط کو کیوں حرام کیا ہے میں نے کہا تحصیلدار صاحب آج کل جو گورنمنٹ کے حکم سے رنگروٹ بھرتی کر کے لام پر بھیجے جا رہے ہیں (اس وقت لڑائی کے لیے بہت آدمی بھرتی کئے جا رہے تھے) آپ کو خبر بھی ہے کہ گورنمنٹ سے بھاگنے کی اجازت نہیں حالانکہ وہ غریب بھی تو احتیاط ہی کرتا ہے آپ کو گورنمنٹ کے اس قاعدہ پر کبھی اعتراض نہ ہوا اور بھیجنے والے سے نہ کہا کہ کیسی جگہ خدا تعالیٰ کی مخلوق کو بھیج رہے ہو جہاں احتیاط کی بھی اجازت نہیں بس یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔ کہنے لگے کہ ساری عمر کا جہل اب رفع ہوا۔ افسوس ہے کہ آج کل بدون انگریزی نظیر اور مثال کے خدا تعالیٰ کو بھی نہیں مانتے یہ حالت ہے ہمارے اعتقاد کی پھر عملی حالت کا تو کیا پوچھنا وہ تو اور بھی زیادہ گندی ہے اور آج کل جو طاعون سے زیادہ پریشانی ہے اس کا سبب بجز اس کے کیا ہے کہ لوگوں کے اعتقاد درست نہیں [2] چنانچہ بڑی وجہ ظاہر میں یہ ہے کہ موت سے ڈر ہے اور موت سے ڈر کیوں ہے کچھ تو طبعی امر ہے۔

موت کی حقیقت

مگر زیادہ تر اس خوف کا سبب یہ ہے کہ موت کے متعلق لوگوں کے عقائد صحیح نہیں اگر موت کے متعلق عقیدہ درست کر لیا جائے اور حقیقت موت کا بار بار مراقبہ [3]

---

(۱) آج کل کرونا میں مبتلاء شخص کو قرنطینہ میں رکھتے ہیں (۲) یہی حال کرونا سے زیادہ پریشان ہونے کا ہے (۳) تصور قائم کرے۔

کیا جائے تو یہ خوف بہت کم ہوجائے گا۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ مر کر آدمی ایک گڑھے میں اکیلا جا پڑتا ہے اور تمام لذات (۱) سے محروم ہوجائے گا۔ سو یہ بالکل غلط ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو موت کی حقیقت بھی معلوم نہیں یاد رکھو کہ موت صرف جسم عنصری کو آتی ہے روح کو موت نہیں آتی بلکہ موت سے صرف اس کا تعلق جسم عنصری سے منقطع ہوجاتا ہے (۲) اب اس کے بعد یہ سمجھو کہ لذات سے منتفع ہونے والا کون ہے کیا آپ کے نزدیک یہ بدن ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ روح منتفع ومتلذذ ہوتی ہے (۳) اور جسم کے لیے بمنزلہ آلہ ومرکب کے ہے اور یہ روح موت کے بعد بھی علیٰ حالہٖ (۴) باقی رہتی ہے بلکہ اب اس کی قوت پہلے سے زیادہ ہوجاتی ہے تو موت کے بعد وہ اس عالم کے لذات سے متلذذ ہوتی ہے اور اگر تم یہ سمجھو کہ میری حقیقت تو محض جسم ہی ہے تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے کوئی گدھے پر سوار ہو کر یوں سمجھے کہ میں گدھا ہوں۔ سو اس کا تو کوئی علاج نہیں۔ صاحب آپ کی حقیقت وہ ہے جس کو آپ ''میں'' سے تعبیر کرتے ہیں کہ میں نے یہ کیا میں نے وہ کیا۔ اب غور کیجئے کہ اس میں مصداق کیا چیز ہے کیا آنکھ، ناک یا منہ اور ہاتھ پیر کو ''میں'' کا مصداق کہہ سکتے ہو۔ ہرگز نہیں، ورنہ چاہئے کہ ان اعضاء کے جاتے رہنے سے انسان ہی جاتا رہے۔ اور یہ غلط ہے، ہے اور اعضاء شریفہ اور قویٰ شریفہ جیسے قلب اور عقل وغیرہ ممکن ہے کہ آپ ان کو ''میں'' کا مصداق کہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اس کا مصداق نہیں ہیں کیونکہ آپ ان کو اپنی طرف سے مضاف کرتے ہیں کہ میرا دل کمزور ہوگیا۔ یا میری عقل میں یوں آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اضافت علامت مغائرت ہے (۵) تو معلوم ہوا کہ یہ بھی آپ کی حقیقت نہیں۔

انسان کی حقیقت روح ہے

بلکہ حقیقت آپ کی روح ہے اور گو وہاں بھی اضافت ہوتی ہے کہ میری روح مگر چونکہ مستقل دلائل سے ثابت ہے کہ یہی حقیقت ہے اس لیے یہ اضافت مجاز یہ ہے اور

(۱) لذتوں سے (۲) روح جسم سے الگ ہوجاتی ہے (۳) انسانی روح ہی اصل میں لذت محسوس کرتی اور فائدہ اٹھاتی ہے (۴) روح مرتی نہیں بلکہ اپنی حالت پر برقرار رہتی ہے (۵) مضاف مضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے۔

دوسرے اعضاء وقویٰ میں ایسی کوئی دلیل نہیں بلکہ خلاف پر دلیل قائم ہے چنانچہ ایک زمانہ میں یعنی بالکل بچپن میں عقل نہیں ہوتی اور آپ ہوتے ہیں ایک وقت میں یعنی بعد موت قلب نہ رہے گا اور آپ ہوں گے صاف دلیل ہے کہ آپ کی حقیقت یہ چیزیں نہیں اس لیے یہ اضافت حقیقیہ ہے بہرحال آپ کی حقیقت روح ہے اور اس پر موت نہیں آتی بلکہ وہ بجنسہ موت (۱) کے بعد اپنے حال پر رہتی ہے اور اب بجائے اس جسم کے جو موت کے بعد فنا اور شکستہ ہوجاتا ہے روح کا مَرۡکَبۡ دوسرا جسم بنتا ہے جس کو جسم مثالی (۲) کہتے ہیں اب روح اس جسم کے ذریعہ سے سارے انتفاعات وتلذذات (۳) حاصل کرتی ہے اور یہ جسم مثالی وہ نسمہ (۴) ہے جس کو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں یعنی موت کے وقت جو چیز جسم عنصری (۵) سے الگ ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ نسمہ ہے اور یہ بھی مادی چیز ہے مگر اس کا مادہ لطیف ہے اور اس کو اس جسم عنصری کے ساتھ ایسا حلولی تعلق ہے جیسا جسم تعلیمی کا تعلق جسم طبعی کے ساتھ حکماء نے بیان کیا ہے یعنی وہ نسمہ مقدار اور ہیئت وشکل میں بالکل جسم عنصری کے برابر ہے (اور وجہ تشبیہ یہی ہے ورنہ جسم تعلیمی تو عرض ہے اور یہ جوہر) اور یہ نسمہ اس وقت یعنی زندگی میں اس کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے اور موت کے وقت الگ ہوجاتا ہے۔

جسم مثالی

یہی جسم مثالی ہے جو موت کے بعد روح حقیقی کا مَرۡکَبۡ (۶) بنتا ہے اور جسم مثالی گو مادی ہے مگر اس جسم سے زیادہ لطیف قوی ہے اور روح حقیقی جو حقیقت میں انسان ہے وہ مادہ سے بالکل مجرد ہے۔ وہ نہ اس وقت جسم کے اندر ہے نہ موت کے وقت اس سے الگ ہو بلکہ وہ تو محض جسم کی مدبر (۷) ہے جو ابھی بدن سے الگ ہی ہے اور اس کی تدبیر کررہی ہے اور گو متکلمین نے روح کے تجرد کا انکار کیا مگر اس بارے میں فلاسفہ کا قول راجح ہے دلائل سے قوت انہیں کے قول کو ہے اور صوفیہ کا کشف بھی اسی کے موافق ہے کہ روح حقیقی مادہ سے مجرد ہے۔ البتہ فلاسفہ کا اس کو قدیم کہنا جیسا قدماء کا

(۱) موت کے بعد بھی اپنی اصل شکل میں رہتی ہے (۲) اس جسم کی مانند دوسرا جسم عطا ہوتا ہے (۳) سارے فائدے اور مزے حاصل کرتی ہے (۴) جسم لطیف کا نام ہے جو انسان کے جسم میں ہوتا ہے جیسے عرق گلاب، گلاب میں اور پانی، پتیوں میں (۵) اس جسم خاکی سے (۶) سواری (۷) تدبیر یعنی اصلاح کررہی ہے جسم کی۔

قول ہے یا حادث بعد حدوث البدن (۱) کہنا جیسا مشائین کا قول ہے یہ بالکل غلط اور خلاف نصوص ہے اور متکلمین نے جس چیز کو روح سمجھ کر مادی کہا ہے وہ دراصل روح حقیقی نہیں بلکہ نسمہ ہے جو مرکب روح ہے (۲)۔ غرض یہ بات ثابت ہوگئی کہ انسان میں جو اصل چیز ہے اور حقیقت میں وہی انسان ہے موت کے بعد وہ اپنے حال پر رہتا ہے اس کی قوت وصفات میں کچھ کمی نہیں آتی بلکہ پہلے سے کچھ ترقی ہی ہوجاتی ہے اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ گو روح کو موت نہیں آتی مگر جسم سے تو تعلق منقطع ہوجاتا ہے تو جو انتفاعات روح (۳) سے تنہا نہیں ہوسکتے وہ تو اب نہ ہوسکیں گے۔

جسم مثالی سب لذات سے منتفع ہوتا ہے

اس کا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ موت کے بعد جسم مثالی مرکب بنتا ہے جو اس جسم عنصری سے لطیف اور قوی تر ہے وہ سب لذات سے منتفع ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں یہاں کی لذات ہیچ ہیں، میں نے رسالہ ''شوقِ وطن'' میں ثابت کردیا ہے کہ یہاں کی سب نعمتیں اس عالم میں موجود ہیں اور روح ان سے متلذذ ہے (۴) کھانا بھی، پینا بھی سیر وتماشا بھی ملاقات احبا بھی مکانات اور باغات بھی وغیرہ وغیرہ اس حقیقت کا مراقبہ کرکے موت کا دھیان کرو تو ان شاء اللہ تعالیٰ موت سے وحشت نہ ہوگی بلکہ اس کا شوق پیدا ہوگا اور یوں کہو گے۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　راحت جاں طلبم وزپے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　تادر میکدہ شاداں وغزلخواں بروم (۵)

موت گھبرانے کی چیز نہیں

بہرحال موت حقیقت میں ڈرنے کی چیز نہیں ہے، بلکہ وہ تو تحفۃ المومن ہے

---

(۱) بدن کے ختم ہونے کے بعد اس کے ختم ہونے کا قول اختیار کرنا غلط ہے (۲) جس پر روح سوار ہے (۳) روح سے جو فائدے جسم سے تعلق کی بنا پر اٹھائے جاتے تھے وہ تو اب نہیں اٹھائے جائیں گے (۴) لذت حاصل کرتی ہے (۵) ''جس دن دنیا سے کوچ کروں وہ دن بہت اچھا ہے راحت جان طلب کروں اور محبوب حقیقی کے پاس جاؤں۔ میں نے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہوجائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں''۔

رسول اللہ ﷺ اس کو مومن کا تحفہ فرمارہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ موت دراصل رغبت کی چیز ہے گھبرانے کی چیز نہیں اور جو گھبراہٹ ہے اس کا زیادہ سبب موت کی حقیقت سے جہل وغفلت ہے اگر موت دراصل خوف وگھبراہٹ کی چیز ہوتی تو حضور ﷺ اس کو تحفہ نہ فرماتے پھر کوئی تو بات ہے جو آپ اس کو تحفہ فرمارہے ہیں۔ یہ تحفہ تو وہ حالت ہے جو عین موت کے وقت ظاہر ہوگی۔ پھر موت کے بعد جو عیش ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے اور درمیان میں عالم برزخ میں جو راحت ہوگی کہ مومنین کی ارواح جواصل طیر خضر ہے (۱) ادھر اُدھر کھاتی پھریں گی وہ الگ ہے ان سب باتوں کو سوچو تو ان شاء اللہ تعالیٰ موت سے وحشت گھبراہٹ نہ رہے گی ہاں البتہ ایک بات رہ گئی جس کی وجہ سے عارفین اہل اللہ کو بھی موت و پریشانی ہوتی ہے وہ یہ کہ اپنے گناہوں سے اندیشہ ہوتا ہے کہ مرتے ہی کہیں ان پر گرفت اور مواخذہ نہ ہونے لگے اور گناہ بھی ایک دو نہیں بلکہ ایک بڑا انبار ہے جس کی یہ حالت ہے کہ:

یک تن وخیل آرزو دل بچہ مدعا دہم — تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم (۲)

یہ فکر البتہ بہت سخت ہے اور فکر اچھی بھی ہے یہ ضرور ہونا چاہئے مگر میں کہتا ہوں کہ اس فکر کو طاعون ہی کے ساتھ کیا خصوصیت ہے یہ تو ہر مرض میں ہونا چاہئے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ گناہوں کے فکر سے دوسرے امراض میں اس قدر وحشت نہیں ہوتی جتنی طاعون میں ہوتی ہے حالانکہ طاعون میں اگر سچ پوچھو تو طبعاً بھی وحشت کم ہونا چاہئے کیونکہ مثل مشہور ہے اور امرِ طبعی بھی ہے کہ مرگ انبوہ جشنے دارد (۳) اور عربی مثل ہے البلية اذا عمت طابت کہ بلا جب عام ہوجاتی ہے خوشگوار ہوجاتی ہے اسی طرح میں کہتا ہوں کہ موت جماعت موت وحدت سے اہون ہونا چاہئے مگر نہ معلوم یہاں یہ طبعی امر برعکس کیوں ہے کہ موت وحدت (۴) سے گھبراہٹ نہیں ہوتی اور مرگ انبوہ (۵) سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ اگر کہا جاوے وحشت اس لیے ہے کہ اس میں مہلت نہیں ہوتی تو

---

(۱) جو سبز پرندوں میں بیٹھ کر ادھر ادھر گھومتی پھیریں گی جیسے جہاز میں آدمی گھومتا ہے (۲) "ایک جسم ہے اور دل کی بہت آرزوئیں ہیں کس کس مدعا دوں تن ہمہ داغ داغ کہاں کہاں پھایہ رکھوں" (۳) بہت لوگوں کا مرنا بھی ایک جشن کی سی شکل بن جاتا ہے (۴) ایک کی موت سے (۵) جم غفیر کے مرنے سے۔

اور بھی بعض اسباب موت ایسے ہیں جیسے ہدم وغرق (۱) مگر ان میں اس درجہ وحشت نہیں۔ بہرحال اس کی حقیقت میری سمجھ میں نہیں آئی اور ایسی بہت باتیں ہیں جن کی حقیقت کا علم ہم کو نہیں مگر وقوع مشاہد ہے۔

گدگدی کا سبب

جیسا کہ چند روز سے میرے دل میں سوال آرہا ہے کہ گدگدی کا سبب کیا ہے ذرا سارے رفارمر جمع ہوکر مجھے اس کا سبب بتلائیں اگر معقول سبب کسی نے بتلادیا تو میں اس کی شاگردی قبول کرلوں گا۔ رقم تو میرے پاس نہیں ہے جو کچھ نعام دوں اگر گدگدی کا سبب حرکت غریبہ کو بتلایا جائے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ویسی ہی حرمت غریبہ اپنے ہاتھ سے کی جائے تو گدگدی کیوں نہیں اٹھتی دوسرے ہی کے ہاتھ سے کیوں اٹھتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی اب تک سمجھ میں نہیں آیا کہ طاعون میں مرگ انبوہ (۲) سے وحشت کیوں ہوتی ہے خیر یہ تو ایک امر طبعی ہے کہ طاعون سے گھبراہٹ ہوتی ہے مگر امور طبعیہ بھی علاج وتدبیر سے اور عقل سے کام لینے سے مغلوب ہوجاتے ہیں جیسے کڑوی دوا طبعاً ناگوار ہوتی ہے مگر عقلی مقدمات کے سوچنے سے ناگواری کم ہوجاتی ہے نشتر لگوانے (۳) میں کتنی سخت تکلیف ہوتی ہے مگر عقل سے کام لیکر نشتر کو گوارا کرتے ہیں اور بعض دفعہ بدون (۴) کلوروفارم سونگھے ہوئے بھی نشتر لگوالیتے ہیں چونکہ کلوروفارم سونگھنے سے دماغ کمزور ہوجاتا ہے ایسے ہی اس معاملہ میں عقل سے کام لیکر اس وحشت وگھبراہٹ کو کم کرنا چاہئے جو آج کل اس بیماری کی وجہ سے ہورہی ہے آخر خدا تعالیٰ نے عقل کس واسطے دی ہے جیسے ایک بیرسٹر کا کہ اس وقت وزیر تھے قصہ میں نے سنا ہے کہ ان کے والد صاحب کے انتقال کی خبر آئی آپ نے وقت پر باورچی سے کہا کہ کھانا لاؤ اس نے کہا حضور آج تو میں نے کھانا نہیں پکایا پوچھا کیوں؟ کہا کہ آج جناب کے قبلہ وکعبہ (۵) کے انتقال کا تار آیا تھا میں نے سوچا کہ صدمہ کی وجہ سے آج کھانا

(۱) اوپر سے گر کر مرنا یا دریا میں ڈوب کر مرنا (۲) کثرت اموات (۳) پھوڑے پھنسی کے آپریشن کرانے میں (۴) بغیر (۵) والد صاحب کا۔

کھائیں گے تھوڑا ہی؟ تو فضول کیوں پکاؤں۔ بیرسٹر صاحب نے کہا سبحان اللہ وہ تو اپنی موت سے مرے اور ہم اپنے ہاتھوں ہلاک ہوں کہ بھوکے مریں۔ جاؤ کھانا پکاؤ اور پانچ روپیہ جرمانہ کیا کہ بدون دریافت کے تم نے اپنی رائے سے کھانے میں دیر کی۔ اس کے بعد آپ نے تعزیت کی ایک مثل تیار کرائی ان کے یہاں ہر کام کی باضابطہ مثل تیار ہوتی تھی۔ تعزیت کے لیے بھی تیار کی گئی جس میں لکھا یہ جاتا کہ آج فلاں شخص آیا اس نے والد صاحب مرحوم کی تعزیت اس طرح کی ہم نے اس کا یہ جواب دیا پھر اس مثل کے لیے آپ نے ایک میعاد مقرر کر رکھی تھی جب یہ میعاد ختم ہوگئی تو مثل داخل دفتر کردی گئی۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص آتا اور تعزیت کے لیے کچھ کہنا چاہتا تو آپ پہلے ہی اس کو یہ کہہ کر روک دیتے کہ شاید آپ والد صاحب کی تعزیت میں کچھ کہنا چاہتے ہیں سو اس کی مثل داخل دفتر ہوگئی اب میں اس کے متعلق کچھ سننا نہیں چاہتا گو اس شخص کو انتظام میں غلو ہوگیا تھا مگر منشا اس فعل کا اچھا تھا اور اس منشا ہی کی قدر کرتا ہوں۔

استقلال وصف محمود ہے

جیسے حضرت جنیدؒ نے ایک چور کے جو پھانسی پر لٹکا ہوا تھا پیر چومے تھے لوگوں نے اعتراض کیا فرمایا میں نے چور کے پیر نہیں چومے بلکہ اس کے استقلال کے پیر چومے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے مطلوب پر مرتے دم تک جما رہا حتی کہ اس پر جان دیدی اور یہ حال ہوا کہ

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید　　یا تن رسد بجانا یا جاں ز تن بر آید(۱)

اور یہ استقلال وصف محمود ہے جس کو اس شخص نے محل مذموم (۲) میں صرف کیا اس لیے نشانہ ملامت ہوا اگر ہم لوگ محبوب حقیقی کی طلب میں ایسا استقلال حاصل کرلیں جیسا اس چور کو چوری میں حاصل تھا تو ہمارا کام بن جائے۔ اسی طرح میں اس مسٹر کے ان سب افعال کی مدح نہیں کرتا بلکہ ان افعال کے منشاء کی قدر کرتا ہوں گو ان افعال کی ذات اچھی نہ تھی مگر ان کا منشاء اچھا تھا کہ انہوں نے عقل کو طبع پر غالب کرلیا تھا اس لیے

(۱) ''طلب سے ہاتھ نہ روکوں گا جب تک میرا مقصد پورا نہ ہوجائے یا تو محبوب کے پاس تن پہنچ جائے یا جان سے تن نکل جائے'' (۲) برے مقام میں صرف کیا۔

نہ تو والد کے انتقال کے دن کھانا چھوڑا نہ مہینوں تک تعزیت کا سلسلہ جاری رکھا کہ اس سے خواہ مخواہ عرصہ تک زخم تازہ رہتا ہے بلکہ ایک میعاد مقرر کر کے اس سلسلہ کو ختم کر دیا۔

امور طبیعہ کو مغلوب کرنے والی دو چیزیں

غرض امور طبیعہ کو مغلوب کرنے والی چیز ایک تو عقل ہے اس سے کام لو اور دوسری چیز دین ہے اس کو غالب کرو۔ اگر دینداری حاصل ہو تو پھر موت سے بجائے وحشت کے محبت ہو جائے کیونکہ دین کی ترقی سے اللہ تعالیٰ کے لقاء (۱) کا اشتیاق غالب ہوتا ہے اور اشتیاق لقاء (۲) سے موت کا اشتیاق ہوتا ہے کیونکہ وہ ذریعہ لقاء اللہ ہے اور سب کا میزان الکل محبت ہے (۳) اگر حق تعالیٰ سے محبت ہو جائے تو پھر موت سے یا طاعون اور بیماری سے کبھی وحشت نہ ہو اور یہ میزان الکل اس لیے ہے کہ عقل اور دین دونوں اس کی تعلیم دیتے ہیں دین تو محبت الٰہی کا امر کرتا ہے (۴) مگر عقل بھی اس کا امر کرتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ منعم و محسن ہیں اور محسن کی محبت عقل کا مقتضیٰ ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ محبت حق سے زیادہ کوئی چیز پریشانی کم کرنے والی نہیں ہم کو ساحران موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے سبق لینا چاہئے کہ نو مسلموں کی تو یہ کیفیت کہ اسلام لاتے ہی موت کے مشتاق اور لقاء حق کے متمنی ہو گئے اور موت سے ایسے نڈر ہوئے کہ فرعون کی دھمکیوں کی ذرا بھی پروا نہیں کی اور ہم پرانے مسلمان جو صدیوں سے مسلمان چلے آتے ہیں۔

آباء و اجداد کا بڑا اثر ہوتا ہے

کیونکہ ہمارے آباء و اجداد صدیوں سے مسلمان ہیں اور اس کا بڑا اثر ہوتا ہے کہ جو صفت نسل میں چلی آتی ہو اس میں فطرۃً خاص ملکہ (۵) ہوتا ہے چنانچہ عالم کے بیٹے کو عالم بننا آسان ہوتا ہے اور طبیب کے بیٹے کو طبیب بننا سہل ہے اور معمار (۶) کے بیٹے کو معمار بننا اور نجار (۷) کے بیٹے کو نجار بننا غرض جو کام خاندان میں عرصہ سے ہوتا آرہا ہے اس سے خاندان والوں کو خاص مناسبت ہو جاتی ہے اسی طرح ہمارے آباء و اجداد میں صدیوں سے جب

---

(۱) اللہ سے ملاقات کا شوق ہوتا ہے (۲) ملاقات کے شوق سے (۳) اصل الاصول محبت ہے (۴) حکم (۵) مہارت ہوتی ہے (۶) مستری (۷) بڑھئی۔

اسلام چلا آرہا ہے تو ہم کو حق تعالیٰ کے ساتھ نومسلمانوں سے زیادہ تعلق ہونا چاہئے تھا۔ یہی تو وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قرآن میں بہت لتاڑا ہے کیونکہ ان کے خاندان میں نبوت و علم و معرفت صدیوں سے چلی آرہی تھی حالانکہ بعض معاملات خود مخاطبین کے ساتھ نہیں ہوئے بلکہ ان سے پہلے ان کے آباء واجداد کے ساتھ ہوئے ہیں مگر ان کے ذکر سے ایک مطلب یہ ہے کہ تم میں اثر طاعات کا زیادہ ہونا چاہئے اور دوسرا تم پرانے نمک خوار ہو، ہم نے تمہارے آباء واجداد پر ایسے ایسے انعامات کئے، تم پر دوسروں سے زیادہ ہماری محبت کا اثر ہونا چاہئے تھا۔ اسی قاعدہ کے مطابق ہم پر بھی ساحران موسیٰ سے زیادہ محبت کا اثر ہونا چاہئے تھا۔ مگر افسوس کہ ہم ان نومسلموں سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔

ساحران موسیٰ علیہ السلام کا ایمان کامل

ان نومسلموں کو کہ فرعون نے جب ان کو دھمکی دی ہے فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ (۱) تو انہوں نے نہایت دلیری سے جواب دیا قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا ۖ فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ (۲) اور دوسری جگہ ساحران موسیٰ کا

(۱) ”میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر لٹکواؤں گا اور یہ بھی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم دونوں میں کس کا عذاب سخت ہے دیرپا ہے“ سورہ طٰہٰ: ۷۱ (۲) ”یعنی ہم کو سولی یا پھانسی کا ڈر نہیں، ہم تجھے خدا تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ہرگز ترجیح نہ دیں گے تجھ سے جو ہو سکے کر لے اور تو کر ہی کیا سکتا ہے صرف اس دنیوی زندگی کو ختم کر سکتا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں تا کہ ہمارے گناہ معاف فرما دیں خصوصاً گناہ سحر جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا تھا (اور اس ایمان و مغفرت سے حیات جاوید ہم کو حاصل ہو گی) اور اللہ تعالیٰ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے (اس کی عطا بے زوال ہے) جو شخص مجرم ہو کر اپنے رب کے پاس حاضر ہو گا سو اس کے لیے دوزخ ہے اس میں نہ مرے گا نہ ہی جئے گا اور جو شخص اس کے پاس مومن ہو کر حاضر ہو گا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں تو ایسوں کے لیے بڑے اونچے درجے ہیں“ سورہ طٰہٰ: ۷۲۔۷۵۔

یہ جواب بھی مذکور ہے قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ [1] اس میں اہل لطائف نے کہا کہ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (ہم اپنے رب کے پاس پہنچ جائیں گے) علت ہے لَا ضَيْرَ کی، مطلب یہ ہے کہ ہم کو سولی وغیرہ سے کچھ ضرر نہیں کیونکہ ہم (اس کے بعد) اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائیں گے جس کے پاس جانے کے مشتاق ہیں مگر خودکشی حرام ہے اس لیے ہم خود تو جلدی سے خدا تعالیٰ کے پاس نہیں پہنچ سکتے اچھا ہے تو ہی قتل کر کے ہمیں جلدی پہنچادے۔ سبحان اللہ ان لوگوں کو کیسا کامل ایمان تھا کہ مسلمان ہوتے ہی لقاء حق [۲] کے ایسے مشتاق ہوگئے اور حیات دنیا کی قدر ان کی نگاہ سے فوراً اُتر ہوگئی۔ صاحبو! یہ محبت اور شوق پیدا کرو اس سے ساری پریشانیاں دفع ہوجائیں گی۔ اس وقت میں اسی کا طریقہ بتلاتا ہوں اور اس سے زیادہ میں آپ سے کچھ نہیں کہتا نہ میں طاعات کو کہوں نہ ترک معاصی [۴] کو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ ایک دن میں جنید بغدادی نہیں ہوسکتے۔

دو دن میں حصول محبت الٰہی کا طریق

لیکن خدا تعالیٰ کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ آپ میرے بتلائے ہوئے طریقہ پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ دو ہی دن میں خدا تعالیٰ کے عاشق تو ضرور ہوجائیں گے پھر طاعات اور ترک معاصی کا کام آپ خود کریں گے میں تو اسوقت جڑ لگاتا ہوں پھول اس پر خود بخود پیدا ہوجائیں گے اور وہ جڑ محبت ہے اس کو حاصل کرلو پھر طاعات [۳] خود بخود ہونے لگیں گی اور اس وقت آپ کو طاعات سے وحشت [۴] نہ ہوگی بلکہ ان کا خود شوق ہوگا اور ایسی لذت آئے گی کہ بعض دفعہ اس لذت کے آثار سے استغفار کرنا پڑے گا شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ کیسے ہوگا کہ لذت طاعات [۵] سے استغفار کرنا پڑے گا تو بات یہ ہے کہ بعض دفعہ طاعات میں لذت آکر عجب [۶] ہونے لگتا ہے اور دوسروں کو جو طاعات سے محروم ہیں تحقیر [۷] قلب میں آنے لگتی ہے اس سے اہل اللہ

(۱) "انہوں نے جواب دیا کہ کچھ حرج نہیں ہم اپنے مالک کے پاس جا پہنچیں گے" سورۂ شعراء: ۵۰ (۲) اللہ سے ملاقات کا اتنا شوق ہوا (۲) نہ نیکی اختیار کرنے کو کہتا ہوں نہ گناہ چھوڑنے کو (۳) نیک کام (۴) گھبراہٹ (۵) عبادات کی لذت سے (۶) تکبر (۷) جو عبادت نہیں کرتا اس کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔

استغفار کرتے ہیں گو اس پر یہ آثار مرتب بھی نہ ہوں کیونکہ لذت طاعات بھی مقصود بالذات (۱) نہیں بلکہ مقصود بالغیر ہے۔

سحر کا وقت اجابت دعا کا ہے

عارف کو بعض دفعہ شبہ ہوجاتا ہے کہ کہیں میں تہجد اور ذکر اس لذت ہی کے واسطے نہ کرتا ہوں اس لیے وہ اس لذت پر التفات کرنے سے بھی استغفار کرتے ہیں اب سمجھ میں آگیا ہوگا۔ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (۲) کا ربط كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ (۳) سے، ظاہر میں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ رات کو تہجد پڑھنے سے استغفار بالاسحار کو کیا تعلق ہے۔ بعض مفسرین نے تو یہ کہا کہ وہ معاصی سے استغفار کرتے ہیں اور اسحار (۴) کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ وقت اجابت دعا (۵) کا ہے اور تہجد سے استغفار کا تعلق یہ ہے کہ وہ جلب منفعت ہے اور یہ دفع مضرت (۶) ہے اور بعض نے کہا کہ وہ تہجد پڑھ کر اس طاعت ہی سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ طاعات بھی معاصی ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ زیادہ سہل اور ظاہر یہ ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں اور اخیر شب میں لذت طاعات سے یا اس لذت کے آثار سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ اس وقت یہ حال ہوتا ہے۔

چہ خوش وقتے وخرم روزگارے　　　کہ یارے برخورد از وصل یارے (۷)

اور وصل کی لذت جیسی ہوتی ہے معلوم ہے اس لذت میں کبھی انہماک (۸) ہوکر اس کی مقصودیت کا شبہ (۹) ہوجانا بعید نہیں اس لیے اس سے استغفار کرتے ہیں۔ شاید یہاں کوئی صاحب یہ شبہ کریں کہ جب طاعات کے آثار لذت سے بھی استغفار کرنا پڑتا ہے تو ہم ہی اچھے رہے کہ طاعات ہی نہیں کرتے۔ جو عجب وغیرہ پیدا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ شبہ جہالت کا ہے کیونکہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ مقاصد کے ساتھ اگر معاصی اور

---

(۱) اپنی ذات میں مقصود نہیں (۲) سورۃ الذاریات: ۱۸ (۳) سورۃ الذاریات: ۱۷ (۴) تہجد کے وقت کی خصوصیت (۵) قبولیت دعاء (۶) اس میں نفع کا حصول اور نقصان سے بچنا ہے (۷) "وہ کیا اچھا وقت اور اچھا زمانہ ہے کہ کوئی محبت اپنے محبوب کے وصل سے متمتع ہو" (۸) منہمک ہوکر (۱۳) یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ مقصود بالذات ہے۔

مفاسد کا انضمام ہو جائے (۱) تو مقاصد کو باقی رکھ کر مفاسد (۲) کا علاج کیا جاتا ہے اور اگر امور زائدہ غیر مقصودہ کے ساتھ مفاسد کا انضمام (۳) ہو جاتا ہے تو زوائد ہی کو حذف کر دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ طاعات مقاصد میں ہیں اس لیے ان کو حذف نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کو باقی رکھ کر مفاسد کا علاج کیا جائے گا۔ بات دور پہنچ گئی میں یہ کہہ رہا تھا کہ محبت حاصل ہونے کے بعد طاعات اور ترک معاصی کو آپ خود اختیار کریں گے اور شوق کے ساتھ اختیار کریں گے اس سے کسی قسم کی گرانی طبیعت میں نہ ہوگی یہ تو دین کا نفع ہوا اور دنیا کا نفع یہ ہوگا کہ محبت سے تمام پریشانیاں دفع ہو جائیں گی میں یہ نہیں کہتا کہ محبت کے بعد آپ کو بیماری نہ ہوگی یا کوئی تکلیف پیش نہ آئے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت حوادث کا رنگ دوسرا ہوگا اس وقت آپ کو ان کلفتوں میں بھی حظ (۴) آئے گا کیونکہ

از محبت تلخہا شیریں شود (۵)

محبت اور معرفت کا اثر

دوسرے محبت کے ساتھ جب معرفت حاصل ہوگی تو کلفت اور مصیبت (۶) کے اندر بھی نعمتوں کا انکشاف ہوگا (۷) اور ان میں اسرار و حکم و معلوم ہوں گے اور ظاہر ہے کہ جب کلفت کے ساتھ کوئی عظیم الشان نعمت بھی حاصل ہو جائے تو کلفت کلفت نہیں رہتی۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک بزرگ سخت مرض میں مبتلا تھے اور ساتھ میں زخمی بھی تھے کوئی جگہ زخم سے خالی نہ تھی وہ زمین پر بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ زخموں پر مکھیاں بھن بھن کر رہی تھیں۔ ایک دوسرے بزرگ وہاں سے گزرے تو انہوں نے پہچانا کہ یہ صاحب نسبت اور عالی مقام ہیں وہ خدمت کے لیے ان کے پاس آ گئے اور پنکھا جھلنے لگے ان کو افاقہ ہوا تو گھبرائے اور فرمایا یہ کون شخص ہے جو مجھ میں اور میرے محبوب میں حائل ہو گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں خدمت

---

(۱) مقاصد کے ساتھ اگر گناہ بھی مل جائیں (۲) برائیوں کو دور کیا جائے گا (۳) ایسے زائد امور جو مقصود نہ ہوں ان کے ساتھ اگر مفاسد مل جائیں تو زوائد کو ترک کیا جائے گا (۴) مزہ (۵) ''محبت سے تلخیاں بھی گوارا ہو جاتی ہیں'' (۶) پریشانی اور مشکلات بھی (۷) نعمتیں کھل کر سامنے آئیں گی۔

کے لیے حاضر ہوا ہوں، فرمایا نہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں تم اپنے کام میں لگو اور مجھے اور میرے محبوب کو چھوڑ دو۔ بتلایئے اس شخص کو اس تکلیف میں کچھ تو لذت تھی جو دوسرے کی خدمت اور راحت رسانی گوارا نہ ہوئی بلکہ تکلیف میں پڑا رہنا ہی پسند ہوا۔ تو بات یہ ہے کہ مصیبت میں بھی اسرار و حکم (۱) ہوتے ہیں جن کی وجہ سے مصیبت مصیبت نہیں رہتی بلکہ لذیذ ہوجاتی ہے۔

جسمانی کلفت کے ساتھ لذت

اس کی چھوٹی سی نظیر (۲) اپنا ہی واقعہ بیان کرتا ہوں اور گو مجھے بزرگوں سے کیا نسبت مگر ان کی جوتیاں سیدھی کرنے سے اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کو تحدیث بالنعمت (۳) کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس سال آنت کے درد کی سخت تکلیف ہوئی۔ کلفت تو بعض وقت ایسی ہوتی تھی جیسی نزع (۴) میں سنی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے قلب کو اپنے ساتھ متعلق کر کے اس کلفت کو آسان کر دیا پھر اس میں جو حکمت معلوم ہوئی تو اس نے تو کلفت کو عقلاً لذیذ کر دیا پھر جب جسمانی کلفت جاتی رہی اور صرف عذر رہ گیا تو وہ عقلی لذت طبعی فرحت بن گئی وہ حکمت یہ ہے کہ مجھے سفر سے بہت کلفت (۵) تھی کچھ تو طبعاً مجھے سفر سے انقباض ہے (۶) اور کچھ اس لیے انقباض بڑھ گیا کہ سفر میں بد مذاق لوگوں سے پالا پڑتا ہے اس کے لیے دوستوں سے مشورے کرتا تھا کہ ایسی تدبیر کی جائے جس سے لوگ مجھے سفر سے معافی دیں کیونکہ اب مجھے سفر کا تحمل نہیں ہے (۷) مگر کوئی صورت ایسی نہ نکلتی تھی۔ طبعی انقباض کو کون عذر سمجھتا ہے ویسے ظاہر میں بوجہ صحت وسلامت اسباب کے کوئی عذر تھا ہی نہیں اس لیے احباب سفر پر مجبور کرتے ہی تھے اب حق تعالیٰ نے غیب سے یہ عذر پیدا کر دیا۔ اب جہاں کوئی مجھے بلاتا ہے میں عذر کر دیتا ہوں کہ حرکت سے شدید جیسے کھانسی یا چھینک یا باآواز بلند بات کرنا یا ناک صاف کرنا اس سے کمانی اونچی ہوکر آنت باہر آجاتی ہے جس سے مجھ کو ناقابل برداشت تکلیف

---

(۱) حکمتیں اور راز ہوتے ہیں (۲) مثال (۳) نعمت کی یاددھانی (۴) روح نکلنے کے وقت (۵) بہت تکلیف ہوتی تھی (۶) دل گھبراتا ہے (۷) برداشت نہیں رہی۔

ہوتی ہے جب تک فوراً درست نہ کیا جائے جس کے لیے خلوت کا موقع درکار ہوتا ہے اور سفر میں یہ سب امور اختیار سے باہر ہیں اس لیے میں سفر سے معذور ہوں اس سے مخاطب فوراً لاجواب ہو جاتا ہے بس جہاں آنت کا نام لیا اور دوسروں کے دانت کھٹے ہوئے پھر وہ سفر پر اصرار کر ہی نہیں سکتے تو اس کلفت میں حکمت حق معلوم ہو کر مجھے اس قدر راحت ہے جسے میں بیان نہیں کر سکتا اب اگر کوئی اس قسم کا خط آتا ہے کہ ہم نے فلاں شخص سے سنا ہے آپ کو تکلیف ہے تو میں جواب لکھ دیتا ہوں صدق وکذب (۱) یعنی عذر کے بیان میں تو راوی سچا ہے لیکن تکلیف کی روایت میں غلط کار ہے کیونکہ مجھے اس عذر سے الم (۲) وپریشانی نہیں ہوئی بلکہ حظ (۳) حاصل ہوتا ہے۔ بہر حال محبت وہ چیز ہے کہ اس سے بڑھ کر پریشانی کو دفع کرنے والی کوئی چیز نہیں۔

نسخہ کا کمال

اب میں محبت حاصل کرنے کا طریقہ بتلاتا ہوں جس کے صرف دو جزو ہیں حکیم محمود خان کے نسخہ میں دو ہی جزو ہوتے تھے اور یہی کمال ہے کہ نسخہ کے اجزا قلیل (۴) ہوں اور نفع زائد ہو۔ یہ نہیں کہ قرابا دین کی برابر نسخہ لکھ دیا جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ جب سکندر آباد پہنچے تو سفر کی وجہ سے طبیعت ناساز ہوگئی۔ آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہاں کوئی طبیب بھی ہے لوگوں نے ایک معمولی طبیب کا نام بتلایا شاہ صاحب نے ان کو بلایا۔ وہ بڑے خوش ہوئے کہ مجھے اتنے بڑے شخص نے یاد کیا اور میں ان کا معالج ہو کر بہت مشہور ہو جاؤں گا چنانچہ آئے اور نبض دیکھ کر نسخہ اتنا بڑا لکھا کہ پورا قرابا (۵) دین ہوگئی۔ مولوی حیدر علی صاحب جو حکیم بھی تھے اور شاہ صاحب کے شاگرد بھی اور رفیق سفر بھی تھے نسخہ دیکھ کر ہنسنے لگے اور شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت یہ تو کوئی جاہل معلوم ہوتا ہے آپ اس کا نسخہ استعمال نہ فرمائیں فرمایا نہیں بھائی

(۱) سچ بھی ہے جھوٹ بھی ہے (۲) رنج (۳) مزہ آتا ہے (۴) کم ہوں (۵) پوری دستاویز بن گئی۔

شفا تو حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ تو محض سبب ظاہری ہے تم اسی نسخہ کو منگواؤ چنانچہ منگوایا گیا ایک بڑا دیگچہ دواؤں ہی میں بھر گیا اور شاہ صاحب نے اس کو نوش فرمایا مگر یہ ہمت پہلے بزرگوں کی تھی آج کل ایسی ہمت کہاں اس لیے آج کل نسخہ میں تھوڑے اجزاء ہونے چاہئیں۔

اللہ کی محبت حاصل کرنے کا طریق

چنانچہ میں بھی اس وقت دو باتیں بتلاتا ہوں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کیا کرو اس سے محبت پیدا ہوگی کیونکہ نعمت میں خاصہ ہے جذب کا (۱) منعم کے احسانات کو یاد کرکے خواہ مخواہ اس کی طرف کشش ہوتی ہے دوسری بات یہ کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو اس کو دخل عظیم ہے محبت پیدا ہونے میں اس کے بعد پھر ان شاء اللہ تعالیٰ طاعون یا وبا کا خوف دل میں اصلاً نہ رہے گا بلکہ موت کے مشتاق ہو کر یوں کہو گے۔

اقتلونی یا ثقات ان فی قتلی حیاتًا فی حیات (۲)

یہ شعر اصل میں منصور کا ہے جب وہ سولی پر چڑھانے کے لیے بڑھائے گئے تو یوں کہتے جارہے تھے۔

اقتلونی یا ثقات ان فی قتلی حیاتی (۳)

غلبہ محبت کے بعد موت کا اشتیاق بھی غالب ہوجاتا ہے۔

حضرت مرزا جانِ جاناں مظہر کی تیاریٔ شہادت

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ جس دن صبح کو شہید ہونے والے تھے اس کی رات میں آپ کو مکشوف ہوگیا تھا کہ کل کو شہادت کا دن ہے تو رات کو آپ کی یہ حالت تھی کہ غسل کرکے عمدہ کپڑے پہنے، خوشبو لگائی اور وصال حق تعالیٰ کے لیے تیار ہوگئے اور جب باہر تشریف لاتے ہیں تو بار بار یہ شعر پڑھتے ہیں۔

---

(۱) کھینچنے (۲) ''مجھ کو اے ثقات قتل کرو قتل کرو کیونکہ قتل میں مجھ کو حیات در حیات ہے'' (۳) ''اے ثقہ لوگوں مجھ کو قتل کردو میرے قتل میں مجھ کو زندگی ہے''۔

سر جدا کرد از تنم یارے کہ با ما یار بود قصہ کوتہ کرد ورنہ دردسر بسیار بود (۱)

پھر یہ واقعہ ہوا اور انہوں نے شیخین کے بارے میں سوالات کئے آپ نے جواب دیئے وہ جواب رافضیوں کے خلاف تھے کم بختوں نے آپ کو قرابین سے شہید کردیا۔ آپ کی تیاری سے آپ کا اشتیاق ظاہر ہے (اس محبت میں یہ حالت ہوا کرتی ہے کہ موت کے لیے اس طرح تیاری کا شوق ہوتا ہے جیسے دُلہا شبِ زفاف کے لیے تیاری کرتا ہے ۱۲) ہاں شاید عقلاء کو اس کے ساتھ یہ خوف بھی ہوگا کہ دیکھئے کہیں گناہوں کی وجہ سے عتاب میں نہ پکڑے جائیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ عاشق کے گناہوں کی بھی دوسری شان ہوتی ہے عاشق کا جرم دوسروں کے جرم کی طرح نہیں ہوتا۔

عاشق کے گناہوں کی مثال

اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک بخاری غلام صدر جہاں کا ملازم تھا اور صدر جہاں کا عاشق بھی۔ ایک دن کچھ خطا ہوگئی تو خوف سے بھاگ گیا صدر جہاں کو بڑا غصہ آیا آدمی تلاش کے لیے بھیجے، کہیں پتہ نہ لگا چند روز کے بعد وہ خود ہی آیا لوگوں نے صدر جہاں کے غصہ سے بہت ڈرایا اور سامنے آتے ہی بیہوش ہوکر قدموں پر گر پڑا صدر جہاں کو یا تو غصہ آرہا تھا یا اس حالت کو دیکھ کر رحم آگیا آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور فوراً غلام کا سر قدموں سے اٹھا کر اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا اور لخلخہ (۲) سنگھانے اور پنکھا جھلنے لگا آخر یہ کس بات کا اثر تھا بات صرف یہ تھی کہ وہ غلام مجرم ہونے کے ساتھ آقا کا عاشق بھی تھا عشق کی وجہ سے آقا کی صورت دیکھ کر اور اپنے جرم کو یاد کرکے بیہوش ہوگیا بس یہی حالت محبت کے بعد تمہاری ہوجائے گی کہ تمہاری خطاؤں کا اور ہی رنگ ہوجائے گا۔ دوسرے مان بھی لو کہ کچھ دنوں کے لیے جہنم ہی میں جانا پڑے گا تو پھر بھی عقلی قاعدہ یہ ہے کہ جو تکلیف منقطع (۳) ہونے والی ہوتی ہے وہ ہلکی ہوجاتی ہے اور مسلمانوں کا عذاب یقیناً ایک نہ ایک دن منقطع ہوگا اس لیے بعد کی حالت کو یاد کرکے اور جنت

---

(۱) "سر جدا کیا میرے جسم سے اس یار نے جو ہمارے ساتھ یار تھا قصہ مختصر کیا ورنہ دردسر بہت تھا" (۲) ہوش میں لانے والی دواء (۳) ختم ہونے والی۔

تعارف

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ) لاہور

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ایما پر قاری سراج احمدؒ کی قائم کردہ دین کی وہ عظیم درس گاہ ہے جو ۱۹۴۸ء سے مصروف خدمت ہے۔

اب یہاں الحمدللہ تجوید وقراءات کے ساتھ دورہ حدیث تک وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب کے مطابق تعلیم ہورہی ہے۔ادارہ کے نصاب تعلیم کو وفاق المدارس کے نصاب میں اس طرح مدغم کیا گیا ہے کہ طالب علم ثانویہ عامہ کے ساتھ میٹرک اور تجوید بروایت حفص کی تعلیم مکمل کرلے۔ثانویہ خاصہ کے ساتھ ایف۔اے/آئی کام اور قراءات سبعہ مکمل ہوجائیں۔اور عالیہ کے دو(۲) سالوں میں قراءات عشرہ اور بی۔اے کی تعلیم مکمل کرلے۔اس کے بعد عالمیہ (دورہ حدیث) کا نصاب مکمل کرکے ایک طرف عالم بنے تو ساتھ ہی قراءات عشرہ کا بہترین قاری ہو اور عصری تعلیم میں کم از کم بی۔اے ہو۔اور طالب علم کو جامعہ کی اسناد تجوید وقراءات کے ساتھ وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ کی سندات بھی مل جائیں۔

طلباء کا داخلہ انٹرویو کے ذریعہ ہوتا ہے۔ششماہی اور سالانہ امتحانات تحریری لیے جاتے ہیں اور سالانہ امتحان وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر انتظام ہوتا ہے جبکہ میٹرک اور ایف۔اے/آئی۔کام کا امتحان لاہور بورڈ کے تحت دلوایا جاتا ہے۔درس نظامی متوسطہ سے دورہ حدیث تک حفظ وناظرہ وتجوید وقراءات عشرہ،عصری علوم کی ایف اے تک تعلیم اور تحقیق وتصنیف نیز انتظامی امور کیلئے کل ایک سو بارہ (112) افراد کا عملہ مصروف خدمت ہے۔

اس وقت تقریباً 1310 طلباء حفظ قرآن مجید، تجوید وقراءات اور مکمل درس نظامی بشمول دورہ حدیث شریف مع عصری علوم کی تکمیل وتعلیم میں مصروف ہیں۔اور ہر سال سینکڑوں طلباء حافظ، قاری اور عالم کی سندات حاصل کرتے ہیں۔

ان میں سے 715 طلباء کے قیام وطعام، نقد وظائف، درسی کتب مہیا کرنے اور علاج معالجہ کی سہولت کی ذمہ داری دار العلوم پر ہے۔الحمدللہ درس نظامی کے سال اول سے دورہ حدیث تک تمام طلباء حافظ قرآن ہیں۔

جامعہ کی طرف سے ہر ماہ ''ماہنامہ الامداد'' کے ذریعہ دینی معلومات پر مشتمل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک وعظ یا علماء دیوبند کا کوئی ایک کتابچہ شائع کرکے تقسیم کیا جاتا ہے۔

ادارہ اشرف التحقیق میں ماہر علماء احکام القرآن کی تدوین کا کام مکمل کرچکے ہیں جس کی تیرہ (۱۳) جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔

نیز تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری کی نو جلدیں طبع ہوچکی ہیں بقیہ پر کام جاری ہے ''جمیل الفتاویٰ'' اور بعض دوسرے تحقیقی مسائل کی تدوین وترتیب میں علماء مصروف ہیں۔

وہاں یہاں سے زیادہ مہربان ہوں گے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رحمت کے سو حصوں میں سے ایک حصہ ظاہر کیا ہے اور آخرت میں پورے سو حصوں کے ساتھ مسلمانوں سے برتاؤ کریں گے۔ دیکھئے کیسی اچھی بات ہے کہ جب آخرت میں بھی وہی خدا ہے جو دنیا میں ہے تو پھر ڈرنا کاہے کا اور یہ اثر محبت کا تھا مولانا کو حق تعالیٰ سے محبت تھی اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ تم محبت کی پڑیا کھالو پھر سب مشکلیں آسان ہوجائیں گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ محبت کے بعد تم پٹو گے نہیں بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اگر پٹو گے بھی تو اس طرح پٹو گے جس طرح عشاق پٹا کرتے ہیں عشاق کو غیروں کی طرح نہیں پٹوایا کرتے بلکہ یوں ہی برائے نام کچھ سزا دے دیتے ہیں۔ محبوب کو ان کی محبت و عشق کی بھی لاج ہوتی ہے دوسری ایک اور بات ہے گو کہنے کی نہیں مگر جب زبان پر آگئی تو کیوں چھپاؤں وہ یہ کہ عاشق کو محبوب کے ہاتھ سے پٹنے میں بھی مزا آتا ہے ضرب الحبیب زبیب (۱) بلکہ محبوب کے سامنے پٹنے میں بھی مزا آتا ہے اسی کو ایک عاشق کہتا ہے۔

بجرم عشق تو ام می کشند وغوغائیست　　　　تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست (۲)

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہو رہی ہے (عشق حقیقی اور عشق مجازی کے بعد آثار متحد ہیں)

محبوب کی مار منتی یعنی لذیذ ہے (۲) ''تیری محبت کے جرم میں قتل کرتے ہیں اور اسی کا شور و غل ہے تو بھی بام پر آجا کہ اچھا تماشائی تو ہی ہے''

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

۱۔ گذشتہ ماہ مہتمم جامعہ ہذا حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب دامت برکاتہم کے بھانجے جناب یوسف اقبال صدیقی ؒ قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے تھے، تمام احباب سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔ اللہ رب العزت ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے، تمام متعلقین و پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین

۲۔ ملک میں کورونا کی بڑھتی ہوئی شرح اور ملک کی سیاسی صورت حال پر خصوصی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ رمضان کے اس مبارک مہینے میں ہم سب کو چاہئے کہ ملک پاکستان کے لئے بھرپور دعاؤں کا اہتمام کریں۔ اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی کامل مغفرت فرمائے اور ہمارے ملک کو امن، سلامتی و استحکام کا گہوارہ بنائے۔

۳۔ حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کے مواعظ کی طباعت کا سلسلہ بحمد اللہ جاری ہے اور اس سلسلے کا اکتیسواں (31) وعظ "روزے کی غرض و غایت" طبع ہو کر آگیا ہے، ادارہ اشرف التحقیق سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ رواں سال وفاق المدارس کے امتحان میں جامعہ کے کل 559 طلباء نے شرکت کی، امتحان دینے والے طلباء کی تفصیل اس طرح ہے:

حفظ	60	تجوید حفاظ	142
دراسات دینیہ	3	تجوید علماء	6
دورہ حدیث	40	موقوف علیہ	36
عالیہ ثانیہ	45	عالیہ اولیٰ	67
خاصہ ثانیہ	66	عامہ ثالثہ	94

تعارف

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ) لاہور

علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کے ایما پر قاری سراج احمد ؒ کی قائم کردہ دین کی وہ عظیم درس گاہ ہے جو ۱۹۴۸ء سے مصروف خدمت ہے۔

اب یہاں الحمد للہ تجوید وقراءات کے ساتھ دورہ حدیث تک وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب کے مطابق تعلیم ہو رہی ہے۔ ادارہ کے نصاب تعلیم کو وفاق المدارس کے نصاب میں اس طرح مدغم کیا گیا ہے کہ طالب علم ثانویہ عامہ کے ساتھ میٹرک اور تجوید بروایت حفص کی تعلیم مکمل کر لے۔ ثانویہ خاصہ کے ساتھ ایف۔ اے / آئی کام اور قراءات سبعہ مکمل ہو جائیں۔ اور عالیہ کے دو (۲) سالوں میں قراءات عشرہ اور بی۔ اے کی تعلیم مکمل کر لے۔ اس کے بعد عالمیہ (دورہ حدیث) کا نصاب مکمل کر کے ایک طرف عالم بنے تو ساتھ ہی قراءات عشرہ کا بہترین قاری ہو اور عصری تعلیم میں کم از کم بی۔ اے ہو۔ اور طالب علم کو جامعہ کی اسناد تجوید وقراءات کے ساتھ وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ کی سندات بھی مل جائیں۔

طلباء کا داخلہ انٹرویو کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ششماہی اور سالانہ امتحانات تحریری لیے جاتے ہیں اور سالانہ امتحان وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر انتظام ہوتا ہے جبکہ میٹرک اور ایف۔ اے / آئی۔ کام کا امتحان لاہور بورڈ کے تحت دلوایا جاتا ہے۔ درس نظامی متوسطہ سے دورہ حدیث تک حفظ وناظرہ وتجوید وقراءات وعشرہ، عصری علوم کی ایف اے تک تعلیم اور تحقیق وتصنیف نیز انتظامی امور کیلئے کل ایک سو بارہ (112) افراد کا عملہ مصروف خدمت ہے۔

اس وقت تقریبا 1310 طلباء حفظ قرآن مجید، تجوید وقراءات اور مکمل درس نظامی بشمول دورہ حدیث شریف مع عصری علوم کی تکمیل وتعلیم میں مصروف ہیں۔ اور ہر سال سینکڑوں طلباء حافظ، قاری اور عالم کی سندات حاصل کرتے ہیں۔

ان میں سے 715 طلباء کے قیام وطعام، نقد وظائف، درسی کتب مہیا کرنے اور علاج معالجہ کی سہولت کی ذمہ داری دار العلوم پر ہے۔ الحمد للہ درس نظامی کے سال اول سے دورہ حدیث تک تمام طلباء حافظ قرآن ہیں۔

جامعہ کی طرف سے ہر ماہ "ماہنامہ الامداد" کے ذریعہ دینی معلومات پر مشتمل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کا ایک وعظ یا علماء دیوبند کا کوئی ایک کتابچہ شائع کر کے تقسیم کیا جاتا ہے۔

ادارہ اشرف التحقیق میں ماہر علماء احکام القرآن کی تدوین کا کام مکمل کر چکے ہیں جس کی تیرہ (۱۳) جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

نیز تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری کی نو جلدیں طبع ہو چکی ہیں بقیہ پر کام جاری ہے "جمیل الفتاویٰ" اور بعض دوسرے تحقیقی مسائل کی تدوین وترتیب میں علماء مصروف ہیں۔

PS/CPL-38

ماہنامہ الامداد لاہور

مئی 2021

ہر درجہ میں نماز ظہر سے قبل امت مسلمہ کے لئے روزانہ دعاؤں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

جامعہ کا کوئی سفیر چندہ کے لئے نہیں۔ نہ جمعہ و عیدین یا جلسہ کے اجتماعات میں چندہ کی اپیل کی جاتی ہے۔

البتہ جو احباب مدرسہ کو ماہانہ عطیات دیتے ہیں ان سے وصولی کے لئے محصل مقرر ہے۔ حکومت کے کسی ادارہ سے کسی قسم کی مالی امداد نہیں لی جاتی۔ اگر آپ اپنا تعاون خود نہ پہنچا سکیں تو مدرسہ میں اطلاع کر دیں محصل جا کر لے آئے گا۔

اس وقت ماہانہ اخراجات تقریباً ترپن لاکھ اٹھارہ ہزار نو سو چار (5318904) روپے ہیں۔

یہ تمام مصارف محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے زکوٰۃ و صدقات اور عام عطیات سے پورے ہوتے ہیں۔

آپ بھی اس عظیم صدقہ جاریہ میں نقد و جنس گندم، چاول وغیرہ کی صورت میں بھرپور حصہ لے کر اپنے والدین، اعزہ اور اولاد کے لئے ذخیرہ آخرت فراہم کیجئے۔

الحمدللہ دار العلوم تعلیمی، تحقیقی اور تبلیغی خدمات میں روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ اس وقت دار العلوم الاسلامیہ سات مختلف برانچوں میں خدمات انجام دے رہا ہے۔

لیکن اس کے باوجود جگہ کی قلت کام میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ جس کے حل کے لئے شہری آبادی سے قریب تر بڑی جگہ کی تلاش جاری ہے۔ بڑی جگہ کے لئے بڑے وسائل کی بھی ضرورت یقینی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں جامعہ دار العلوم سے محبت رکھنے والے حضرات جگہ کی نشاندہی اور وسائل کی فراہمی میں مقدور بھر حصہ لیں گے۔

مجلس منتظمہ و مہتمم جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور

مرکزی درسگاہ ۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور فون: 35422206-35422213

دار العلوم الاسلامیہ پرانی انارکلی چرچ روڈ لاہور۔ فون: 37353728

دار الفلاح عباس بلاک مصطفیٰ ٹاؤن لاہور۔ فون: 35410311

مدرسہ فاروق اعظم گلشن راوی لاہور

جامع مسجد رضا بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

مسجد ابوبکر راوی بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

معراج النساء سکول، نتھے خالصہ مانگا، ضلع قصور فون: 0333-4664165 0301-4099095

1- جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کا آن لائن بینک اکاؤنٹ نمبر 6010049533100010
دی بینک آف پنجاب کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور برانچ کوڈ (0060)

2- 0110-557-7 یو۔ بی۔ ایل لٹن روڈ برانچ لاہور (برانچ کوڈ 1007)

Design & Compose: Abdul Nasir Jamal Chitrali Idara Ashraf-ul-Tahqeeq